عمرو کے چیلے

داستانِ طلسمِ ہوش رُبا

حصّہ سوم

اختر رضوی

ظالم جادُوگر

طِلسم ہوش رُبا کا یہ تیسرا حصّہ ہے۔ اس سے پہلے کے حالات دو ناولوں عُمرو کی غدّاری اور عُمرو کا بھُوت میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ ''عُمرو کا بھوت'' میں داستان اِس مقام پر ختم ہوئی تھی کہ صحرائے طِلسم میں ایک جگہ دِل آرام کی جادُو کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔ پہاڑی کی شکل میں آگے بڑھنا اُس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔ مجبوراً شہزادہ اسد اور شہزادی مہ جبیں الماس پوش غار سے باہر نکلتے ہیں۔ دِل آرام اصلی روپ میں آ جاتی ہے، تینوں سخت بھُوک محسوس کرتے ہیں۔ پیٹ بھرنے کی کوئی دوسری صُورت نہ دیکھ کر شہزادہ تیر کمان لے کر شکار کی تلاش میں چل دیتا ہے۔ شہزادہ کافی دیر تک واپس نہیں آتا۔ دِل آرام اُسے ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوتی ہے۔ شہزادی تنہا رہ جاتی ہے۔

اسی موقعے پر ایک جادُوگر اُدھر آنکلتا ہے۔ وہ شہزادی کو دھوکا دے کر اپنے
جادُوئی بنگلے میں لے جاتا ہے۔ شہزادی اُس کے ارادے سے آگاہ ہو کر وہاں
سے بھاگتی ہے۔ جادُوگر اُسے پکڑ لیتا ہے۔ وہ صدمے سے بے ہوش ہو جاتی
ہے۔ اب آگے کا حال سُنیے۔

شہزادی کو بے ہوش دیکھ کر جادُوگر گھبرا گیا۔ اُسے وہم ہونے لگا کہ کہیں وہ
مر نہ جائے۔ اپنے انجام کے خوف سے لرزتے ہوئے اس نے شہزادی کو اُٹھا
کر مسہری پر لٹا دیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ اگر شہزادی ہوش میں آگئی تو اس
سے مُعافی مانگ لوں گا اور عزّت کے ساتھ لے جا کر شہنشاہ افراسیاب کی
خدمت میں پیش کر دوں گا۔
یہ فیصلہ کر کے وہ شہزادی کو ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگا۔ کبھی اس
کے تلوے اور ہتھیلیاں سہلاتا، کبھی لخلخہ سنگھاتا۔ کبھی منہ پر پانی کے چھینٹے
مارتا۔ کچھ دیر بعد شہزادی نے ایک گہری سانس لے کر گردن دوسری طرف
گھمائی۔ جادُوگر کی جان میں جان آئی۔ بے ہوش تو وہ اب بھی تھی مگر اس

حرکت سے واضح ہو گیا کہ وہ ہوش میں آنے والی ہے۔ اب جادُوگر کو اندیشہ تھا کہ ہوش میں آنے پر اُسے اپنے سامنے دیکھ کر کہیں شہزادی پھر نہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے لخلخہ شہزادی کی ناک کے قریب رکھ دیا اور دبے پاؤں کمرے سے باہر جانے لگا۔

اسی لمحے اُسے شہزادی کی بھُوک اور کمزوری کا اِحساس ہوا۔ بنگلے کے باورچی خانے میں کھانے پینے کا خاصا سامان موجود تھا۔ جلدی جلدی اس نے ڈھیر سارے پھل، میوے اور دوسری چیزیں لا لا کر میز پر رکھ دیں۔ شہزادی کسمسانے لگی تھی۔ یہ رکھ کر جادُوگر نے ٹھنڈے پانی کی ایک صُراحی لا کر کمرے میں رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ بنگلے کے اندر ہی کسی دوسرے کمرے یا برآمدے میں چھپ رہے اور شہزادی کے ہوش میں آنے کا انتظار کرے۔ مگر پھر اس نے یہی بہتر سمجھا کہ بنگلے کے باہر چلا جائے۔ جب تک شہزادی خُود اُسے نہ پکارے، اندر نہ آئے۔

وہ بنگلے سے نکلا۔ باہر کے دروازے کو بند کر کے اُس میں تالا لگایا اور قریب کے درختوں کے سائے میں جا کر وقت گزارنے کے خیال سے ٹہلنے لگا۔

اُدھر شہزادی کی جو ہوش آیا تو اُس نے خُود کو ایک آرام دہ مسہری پر پڑا پایا۔ دِل میں سمجھی کہ اُڑن پہاڑی کے غار میں اُڑن پہاڑی کے غار میں ہُوں۔ حفاظتِ شہزادہ اسد نامدار میں ہوں۔ مگر پھِر جو نگاہ چاروں طرف دوڑائی، کمرے کی ہر چیز غار سے مختلف پائی۔ شہزادہ اسد کی صُورت کہیں نظر نہ آئی۔ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ حیرانی کے ساتھ در و دیوار کو غور سے دیکھنے لگی۔ دماغ پر زور ڈال کر گزری باتیں یاد کرنے لگی۔ بھُوک کی شدّت، شہزادے کی جدائی کے صدمے اور بے ہوشی کے اثر نے اُس کے سوچنے کی طاقت کو نڈھال کر دیا تھا۔ مگر کوشش کرنے سے اُس کے دماغ کی حالت سنبھلنے لگی۔ گزرے ہوئے ہر واقعے کی تصویر

آنکھوں میں پھرنے لگی۔ اسے یاد آگیا کہ شہزادہ اور دل آرام کے جانے کے بعد ایک جادُوگر اسے دھوکا دے کر اپنے بنگلے میں لے آیا تھا اور خُود کو اُس

سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب بھی وہ اُسی جادُو گر کے بنگلے میں ہے۔

"مگر وہ جادُو گر کہاں ہے؟" اچانک اس کے دماغ میں سوال پیدا ہوا۔ وہ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کے دیکھنے لگی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں اُس کے سوا کوئی نہ تھا۔

موقع غنیمت تھا۔ بھاگ نکلنے کے خیال سے وہ چمک کر اُٹھی مگر دوسرے ہی لمحے چکرا کر مسہری پر گر گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ بھُوک نے اُس کے جسم کی ساری طاقت سُن کر دی تھی۔ ناز و نعمت میں پلی ہوئی شہزادی جو تھی۔ دو دن کا فاقہ کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

کُچھ دیر آنکھیں بند کیے بغیر ہلے جُلے مسہری پر پڑی رہی۔ دِل ہی دِل میں اپنے نصیبوں کو کوستی رہی۔ کبھی سمجھتی موت کا فرشتہ گلا دبا رہا ہے۔ کبھی خیال کرتی ظالم جادُو گر کوئی جادو آزما رہا ہے۔ ہر صورت میں وہ خُود کو بے بس محسوس کر رہی تھی اور اِس حالت پر اندر ہی اندر کُڑھ رہی تھی۔ یکایک اُسے

شہزادہ اسد کی یاد آئی اور یاد کے ساتھ ہی اُس نے اپنے بدن میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑتے پائی۔ جینے کی خواہش اس کے دل کو گرمانے لگی، مایُوسی اور بے بسی کے احساس کو دُھندلانے لگی۔ آخر کار اس نے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔

کانوں کی سنسناہٹ پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ اب آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا نہ رہا۔ ہر چیز اُسے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ کمرے کے درودیوار سے گھومتی ہُوئی اُس کی نگاہیں مسہری کے قریب رکھی ہوئی میز پر اٹک کر رہ گئیں۔ اُس پر ایک بڑے طاق میں تازہ پھل اور خشک میوے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ٹکٹکی باندھے ان پھلوں اور میوؤں کو دیکھتی جاتی اور اُس کی جان میں جان آتی جاتی۔ بھُوک اُسے پہلے بھی لگا ہی کرتی تھی مگر مجبوری کی فاقہ کشی کا یہ زندگی میں پہلا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں کو بھی اُس نے کبھی آنکھ بھر کر نہ دیکھا تھا۔ مگر اُس وقت میز پر رکھے ہوئے پھلوں کو دیکھ دیکھ کر اُس کے منہ میں پانی آرہا تھا۔ نگاہوں میں بے صبری بڑھتی جارہی

تھی۔ دل اُنہیں کھانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ سچ کہا ہے کسی نے، پیٹ کی آگ بُری ہوتی ہے۔

چند لمحے بعد شہزادی اُٹھی، میز کو مسہری کے قریب کھسکایا اور بیٹھ کر پھلوں پر ہاتھ صاف کرنے لگی۔ پیٹ میں کُچھ وزن پہنچا تو اُسے جادُوگر کا خیال آیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اُسے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اچانک آ نہ جائے۔ اسے یوں بے صبری کے ساتھ پھل کھاتے ہوئے نہ دیکھ لے۔ شرمندگی سے بچنے کی خاطر وہ اُٹھی اور دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ پھر مسہری پر آ بیٹھی اور پہلے سے کئی گنا زیادہ یکسوئی کے ساتھ پھل کھانے لگی۔ طباق میں کتنے کیلے، کتنے امرود اور کتنے سیب تھے، ان میں سے کتنے باقی تھے؟ اس پر اُس نے ذرہ برابر توجّہ نہ دی۔ ہاتھ جبھی روکا جب پیٹ کی آگ پوری طرح بجھ گئی۔ اس عرصے میں اس نے دل میں پکّا فیصلہ کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن و یہاں سے فوراً نکل جاؤں گی اور جنگل کے چپّے چپّے میں شہزادہ اسد کو تلاش کروں گی۔

کئی وقفوں کے فاقے کے بعد پیٹ بھر کر پھل کھانے سے اسے کچھ سُستی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ دیر آرام کرے لیکن شہزادے کو ڈھونڈنے کی لگن آرام کرنے کی خواہش پر غالب آگئی۔

حوصلہ کر کے اُٹھی، کمرے کا دروازہ کھولا اور چوکنّا رہتے ہوئے دبے پاؤں برآمدے کی طرف چل دی۔ بنگلے سے باہر جانے کا دروازہ اسی برآمدے میں تھا۔ لکڑی کی مضبوط جالیوں کی دیوار کی وجہ سے آمد و رفت صرف دروازے ہی سے ممکن تھی۔ لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے جب اسے کھولنا چاہا تو اُسے مضبوطی کے ساتھ باہر سے بند پایا۔ وہ تلملا اُٹھی اور جوش اور غصّے کے ساتھ جالیوں میں سے باہر جھانکنے لگی۔

یہ وہ وقت تھا کہ شہزادی کا حال معلوم کرنے کے خیال سے جادُوگر بنگلے کی طرف چل کھڑا ہوا تھا۔ شہزادی نے اسے آتا دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کے دل میں آئی کہ بھاگ کے راہداری کے موڑ پر جا چھپے اور جیسے ہی بے خبری میں جادُوگر اس جگہ پہنچے گُل دان، پتھّر یا اور کوئی بھاری چیز اچانک اُس کے سر پر دے مارے۔

یہ ارادہ اُس نے جادوگر کو محض اس کی بے ایمانی کی سزا دینے کے لیے نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس لیے بھی کیا تھا کہ اس کے بغیر اسے اپنی رہائی ناممکن نظر آ رہی تھی۔ جادوگر کو دیکھتے ہے پلٹنے کے خیال سے اس نے قدم اٹھایا مگر دوسرے ہی لمحے چونک کر پھر جم گئی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار جھلک رہے تھے۔ چھپنے کا ارادہ ترک کر کے ٹکٹکی باندھے وہ باہر کی طرف دیکھنے لگی۔

جادُوگر بنگلے کی ان چند ہی قدم چل پایا تھا کہ اچانک ایک دوسرا جادُوگر قریب کے درخت کی اوٹ سے نکلا اور بھیانک آواز میں قہقہے لگانے لگا۔ پہلے جادُوگر نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ یہ دوسرا جادُوگر پہلے جادُوگر کے مقابلے میں زیادہ بے رحم اور خطرناک دکھائی دے رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر پہلے جادُوگر کا چہرہ کچھ دیر تک زرد رہا مگر پھر اُس کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے چمکتے دکھائی دینے لگے۔ دوسرے جادُوگر کے قہقہوں میں بھی زہر بھرا ہوا تھا۔ وہ ان جادُوگروں میں سے ایک تھا جنہیں افراسیاب نے شہزادہ اسد، شہزادی مہ جبین اور اور دل آرام کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

"کیوں دوست!" دُوسرے جادُوگر نے کہا۔ "کیا میرا آنا بُہت زیادہ بُرا لگا ہے؟ کہو، کوئی شاہی مجرم بھی ہاتھ آیا کہ نہیں؟"

"بے حیا کہیں کا۔" پہلے جادُوگر نے نفرت کے ساتھ کہا۔ "کیا تیری شکل دیکھنا یا تیری بات کا جواب دینا میں کبھی پسند بھی کر سکتا ہوں؟"

"مجھے تیری پسند کی کوئی پروا نہیں۔" دوسرے جادُوگر نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ "یہ نہ بھُول کہ شہنشاہ افراسیاب نے تجھے مُجرموں کی تلاش کے لیے بھیجا تھا۔ جنگل میں بنگلا بنا کر منگل منانے کے لیے نہیں۔"

چور کی ڈاڑھی میں تنکا مشہور ہے۔ پہلا جادُوگر آخری فقرہ سن کر گھبرا گیا۔ پھر زور سے چیخا۔ "آخر تو چاہتا کیا ہے؟ کیا تو میرا افسر بنا کر بھیجا گیا ہے؟"

"افسر نہ سہی۔" دوسرا جادُوگر گرجا۔ "لیکن مجھے بھی وہی فرض سونپا گیا ہے جو تجھے۔ مُجھے یہ جاننے کا پورا حق ہے کہ اس بنگلے میں تُو نے کسے بند کر رکھا ہے۔"

یہ سُن کر پہلے جادُوگر کا حلق خشک ہو گیا۔ اُس نے جُوں تُوں کر کے جواب دیا۔ "ہائیں کسے بند کر رکھا ہے؟ تو نے کیا دیکھا؟ تُو پُوچھنے والا کون؟"

”کان کھول کے سُن!“ دُوسرا جادُوگر رُعب سے بولا۔ ”تو مجھے چکر نہیں دے سکتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تجھے ایک عورت کے ساتھ بنگلے کے اندر جاتے دیکھا ہے۔ یا تو وہ شادی مہ جبیں ہے یا وزیر زادی دل آرام۔ اور دونوں میں سے کسی کو بھی تجھے اپنے بنگلے میں رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بول! کیا کہتا ہے؟“

پہلے جادُوگر کے مُنہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اُس نے کہا ”اچھا اگر وہ عورت شہزادی مہ جبین ہوئی تو پھر؟“

”تو پھِر۔“ دوسرا جادُوگر بولا۔ ”تیری خیر نہیں۔ شہزادی مہ جبین مُجرم ضرور ہے مگر شہنشاہ کی بھتیجی ہے۔ اُسے اپنے قبضے میں رکھ کر تُونے شاہی خاندان کی بے ادبی کی ہے۔ تُو سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔“

”اف! میں کہیں کا نہ رہا۔“ پہلا جادُوگر مکّاری سے بولا ”اب میری زندگی تمہارے ہاتھ ہے۔ میں تُم سے ہار مانتا ہوں۔ مُجھ پر رحم کرو۔ مجھے بچا لو۔ زندگی بھر تُمہارا غُلام رہُوں گا۔“

”بس؟ سیدھے ہو گئے؟ ہاہاہا!“ دُوسرے جادُوگر نے فخر سے قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔ ”بچاؤ کی ایک ہی صُورت ہے۔ شہزادی کو میرے حوالے کر دو اور طلسم ہوش رُبا کی سرحدوں کے باہر نِکل جاؤ۔“

”مجُھے منظور ہے۔“ پہلے جادُوگر نے دوسرے جادُوگر کے پیروں پر گرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔“

دوسرا جادُوگر اپنی اس کامیابی پر پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں پہلے جادُوگر کی مُٹھیوں میں تھے۔ اچانک پہلے جادُوگر نے پیچھے ہٹ کر دوسرے جادُوگر کے پیر گھسیٹ لیے۔ وہ چاروں شانے چت گِرا اور قبل اس کے کہ وہ سنبھلے پہلے جادُوگر نے اُسے چاروں طرف گھمانا شروع کر دیا۔ دوسرا جادُوگر یہ سمجھ چکا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے مگر اس کے پیروں کو پکڑے ہوئے پہلا جادُوگر اُسے ایسے زور دار چکر دے رہا تھا کہ وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جادُو کے شُعبدوں کی جھولی جو اُس کے کاندھے پر لٹکی ہوئی تھی، اُس کے ایک بازو میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ بار بار وہ دوسرے ہاتھ سے اُس جھولی میں سے کوئی چیز نکالنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

کئی تیز چکر دینے کے بعد پہلے جادُوگر نے اُسے ایک درخت کے تنے کی سمت زور سے پھینک دیا۔ اس کا خیال تھا کہ درخت سے ٹکرا کر دوسرے جادُوگر کا بھیجا پاش پاش ہو جائے گا۔ مگر سر کے بجائے تنے سے اُس کا پیٹ ٹکرایا۔ ٹکرانے سے پہلے شاید اُس نے اپنی سانس بھی روک لی تھی نہ صرف یہ کہ وہ چوٹ سہ گیا بلکہ بجلی کی سی پھُرتی سے اُٹھ کر کھڑا بھی ہو گیا۔

یہ دیکھ کر پہلے جادُوگر نے اپنی جھولی سے رسّی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اسے دوسرے جادُوگر کی طرف اُچھال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی کی ٹانگوں کی طرح کئی کئی گز لمبی ڈوریاں اس ٹکڑے میں سے نکلیں۔ اور لپلپاتی، بل کھاتی ہوئی دوسرے جادُوگر کی طرف بڑھنے لگیں مگر اس سے پہلے کہ اُس تک پہنچ کر وہ سب اُسے جکڑ لیتیں، دوسرے جادُوگر نے پھُرتی کے ساتھ جھولی میں سے سیندور لگی ہوئی ایک چھُری نکالی اور ڈوریوں کے گُچھے کی طرف پھینک دی۔ آن واحد میں چھُری نے چکّر کھاتے ہوئے ساری ڈوریوں اور رسّی کے ٹکڑے کا بھُوسا بنا کر رکھ دیا۔

بس اِس کے بعد سے دونوں جادُوگروں کے درمیان جادُوئی طاقت کا خوفناک مقابلہ شروع ہو گیا۔ دونوں چالاکی، پھُرتی اور جادُو میں ٹکّر کے تھے۔ دونوں ایک دُوسرے پر اپنے خطرناک ترین حربے استعمال کر رہے تھے۔ پر کسی کا وار کارگر نہ ہو رہا تھا۔ جیسے ہی کوئی دوسرے پر حملہ کرتا دُوسرا فوراً ہی اُس کا توڑ کر دیا۔ ہتھیار نشانے پر پہنچنے سے پہلے ہی تباہ ہو جاتا۔

دونوں جادُوگروں کو ایک دوسرے کا دُشمن دیکھ کر شہزادی کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا جلد ہی ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ہاتھوں مارا جائے گا اور آزادی حاصل کرنے کے لے اُسے کسی ایک ہی جادُوگر سے نمٹنا پڑے گا۔ لیکن جب اُن کی لڑائی لمبی ہو گئی، کوئی کسی کو نقصان نہ پہنچا سکا تو شہزادی کچھ پریشان ہو گئی۔ اُسے اندیشہ ستانے لگا کہ اپنے سارے ہنر آزمانے کے بعد تھک ہار کر وہ کہیں واقعی ایک دوسرے سے صلح نہ کر لیں۔ ایسا ہونے پر اُس کی رہائی کی صُورتیں ناپید ہو جاتیں۔

اچانک شہزادی کو ایک ترکیب سوجھ گئی۔ دہشتناک آواز میں وہ بے تحاشا زور زور سے چیخنے لگی۔ ”بچاؤ! بچاؤ!“

پہلے جادُوگر کی شہزادی کی طرف پیٹھ تھی۔ وہ اپنے دُشمن کے آتشیں انار کو ناکارہ بنانے کے بعد انگاروں کی برسات کرنے والا ناریل اُچھالنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ شہزادی کی چیخ پُکار نے اُسے پریشان کر دیا اور وہ گردن گھُما کر بنگلے کی طرف دیکھنے لگا۔ ناریل اس کے ہاتھ ہی میں رہ گیا۔

اُس وقت دوسرے جادُوگر کی جھولی میں ایک بھنورے اور ایک کمند کے علاوہ دوسرا کوئی اور جادوئی ہتھیار باقی نہ بچا تھا۔ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے اُس نے فوراً بھنورے کو پہلے جادُوگر کی طرف اُڑا دیا۔ بھونرا تیر کی طرح اُڑتا ہُوا اُس کے قریب جا پہنچا۔ بھنبھناہٹ کی آواز سُن کر پہلا جادُوگر ایک بارگی چونکا اور پلٹ کر اپنے دشمن کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی لمحے ایک سیاہ بھونرا اُسے اپنے چہرے کے سامنے منڈلاتا نظر آیا۔ ہکّا بکّا ہو کر اُس نے نگاہیں بھونرے پر جما دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھونرے کی دُم سے تیز نیلی روشنی کی کرنیں نکلیں۔ اور اس کی آنکھوں میں جذب ہو گئیں۔ وہ بینائی سے محروم ہو گیا۔ اس اچانک اُفتاد پر اُس کے حواس جاتے رہے۔ دہشت اور پریشانی کے ساتھ وہ اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ ناریل پھینکنے کا ہوش نہ رہا۔

دوسرے جادُوگر نے وقت ضائع کیے بغیر جادُوئی کمند اُس کی طرف اُچھال دی۔ راستہ صاف تھا۔ دم کے دم میں کمند نے سر سے پاؤں تک اُسے اِس بُری طرح جکڑ لیا کہ وہ سانس بھی مشکل سے لے سکتا تھا۔ دوسرے جادُوگر نے خوفناک قہقہہ بُلند کیا۔ شہزادی جو کہ اب تک چیخے جارہی تھی خاموش ہو گئی۔ اُس نے اپنی نگاہیں فاتح جادُوگر پر جمادیں۔ وہ قہقہے لگاتا قدم قدم گرفتار جادوگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ جھک کر اُس نے اپنی

وہ سیندور لگی ہوئی چھُری بھی اُٹھالی جس نے پہلے جادُوگر کی ڈوریوں کے گچھے کی دھجیاں اُڑادی تھیں۔ شہزادی سانس روکے اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ فاتح جادُوگر جلد گرفتار جادُوگر کو ہلاک کر دے۔ آخر کار اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ فاتح جادُوگر نے قریب پہنچ کر گرفتار جادُوگر کے منہ پر نفرت سے تھوکا اور پھر بے رحمی کے ساتھ چھُری اُس کے حلق پر پھیر دی۔ جس کے بعد اُس کی لاش زخمی پرندے کی طرح زمین پر پھڑ پھڑانے لگی۔ فاتح جادُوگر اس سے مُنہ موڑ کر فخر کے ساتھ شہزادی کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک سارا ماحول تاریکی میں ڈوب گیا۔ زور دار اندھی چلنے لگی۔ سسکیوں اور آہوں کے شور سے جنگل الم کدہ محسوس ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد یہ شور ختم ہوا تو آواز آئی "آہ! مجھے ہلاک کیا۔ میرا نام خائن جادُو تھا۔"

تاریکی دور ہونے پر شہزادی یہ دیکھ کر پریشان ہو گئی کہ وہ اور فاتح جادُوگر ایک کھلے میدان میں آمنے سامنے کھڑے ہیں۔ جس بنگلے میں وہ قید تھی وہ اس جادُوگر کے مرتے ہی غائب ہو گیا تھا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ بنگلہ جادُو کا تھا اور اُسے مرنے والے نے اپنی جادُو کی طاقت سے بنایا تھا۔ شہزادی اب اپنے منصوبے کے مطابق چھُپ کر اِس جادُوگر کو ہلاک نہ کر سکتی تھی۔ خوف اور بے بسی کے ساتھ وہ اِس خونخوار کو دیکھنے لگی۔ اور دل ہی دل میں اپنے بچاؤ کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔

فاتح جادُوگر کے دل میں پہلے ہی بے ایمانی کا خیال آ چکا تھا۔ اب جو اس نے شہزادی کو غور سے دیکھا تو دل میں پکّا فیصلہ کر لیا کہ شہنشاہ افراسیاب کے سامنے پیش کرنے کے بجائے وُہ اسے لے کر کہیں چلا جائے گا۔ اُس نے شہزادی کے قریب پہنچ کر ادب سے سلام کیا اور خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگا۔

"آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ مجھے اپنا وفادار خادم سمجھیے۔ یہاں رُکنا خطرناک ہے۔ میرے ساتھ چلیے۔ میں آپ تو ایسی جگہ رکھوں گا جہاں زندگی بھر آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ شہنشاہ افراسیاب کا کوئی جادُوگر کبھی آپ تک نہ پہنچ سکے گا۔"

"نہیں، میں کہیں نہ جاؤں گی۔" شہزادی نے روتے ہوئے کہا: "میری مدد کرنا چاہتے ہو تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو یا شہزادہ اسد کو ڈھونڈ نکالو۔"

"ضد نہ کیجیے۔" جادُوگر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اگر شہنشاہ کا بھیجا ہوا کوئی اور جادُوگر اِدھر نکل آیا، اُس نے آپ کو اور مجھے دیکھ لیا تو پھر میں بھی اِس بات پر مجبور ہو جاؤں گا کہ آپ کو گرفتار کر کے شہنشاہ کی خدمت میں حاضر کر دوں۔ شہزادہ اسد کو بھول جائیے۔ وہ جہاں بھی ہوا جلد پکڑا جائے گا اور شہنشاہ سے عبرت ناک سزا پائے گا۔"

شہزادی جوش میں آ کر للکاری "ذلیل کتّے! تیری یہ مجال کہ شہزادے کی شان میں گستاخی کرے۔ زبان بند کر۔"

شہزادی کے یہ تیور دیکھ کر جادُوگر سمجھ گیا کہ لالچ، خوف یا زبردستی سے وہ ہر گز قابو میں نہ آئے گی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اب اُس نے جادُو کے زور سے شہزادی کو تابع کرنے کا فیصلہ کیا۔

شہزادی اُس کی خاموشی کا مطلب نہ سمجھ پائی تھی کہ اس نے چپکے چپکے کچھ منتر پڑھ کر شہزادی کی طرف پھونک ماری۔ آناً فاناً شہزادی کے دل دماغ کی حالت تبدیل ہو گئی اور وہ پچھلی باتیں ساری بھُول گئی۔ جادُوگر کا دل خوشی سے پھُول گیا۔ اُسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے وہ ایک سمت تیزی سے قدم اُٹھانے لگا۔ شہزادی بھی اُس کے پیچھے ہولی۔

اب ذرا شہزادہ اسد کا حال سُنیے۔ شہزادی مہ جبین اور دل آرام کو چھوڑ کر وہ جنگل میں گیا تو جلد ہی اسے ایک ہرن نظر آ گیا۔ خدا کا شکر ادا کر کے شہزادے نے اس پر تیر چلا دیا۔ نشانہ کامیاب رہا۔ تیر ہرن کی گردن میں ترازو ہو گیا۔ شہزادے کو یقین ہو گیا کہ شکار چند قدموں سے زیادہ آگے نہ جا سکے گا۔ پلک جھپکتے میں ڈھیر ہو جائے گا اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی۔ تیر لگتے ہی ہرن اُچھلا اور حواس باختہ ہو کر گھٹنوں کے بل گر پڑا، ماتھا زمین پر ٹیک دیا۔

شہزادہ اطمینان کے ساتھ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن ابھی وہ اُس کے زیادہ قریب نہ پہنچ پایا تھا کہ اچانک ہرن اُٹھا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ شہزادے نے خیال کیا کہ شاید ابھی اس میں کچھ دم باقی ہے۔ بس اتنا کہ آٹھ دس گز سے زیادہ دور تک بھاگ سکے گا۔ اس نے تیز دوڑ کر ہرن کا پیچھا کرنا غیر ضروری سمجھا۔ مگر جب وہ دیکھتے ہی دیکھتے پندرہ بیس گز آگے جا کر پہاڑیوں میں گُم ہو گیا تو شہزادہ جھنجھلا کر اُس کے پیچھے دوڑا۔ اس کے بعد ہرن اور شہزادے کے درمیان بھاگنے اور پیچھا کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہرن بھاگ کر کسی محفوظ جگہ پہنچ جاتا تو گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پیشانی زمین پہ رگڑنے لگتا۔ شاید اس سے اسے گردن میں پھنسے ہوئے تیر کے زخم کی تکلیف سے کچھ آرام ملتا مگر جب شہزادہ بھاگتا ہوا اس کے قریب جا پہنچتا تو وہ پھر چھلانگیں بھرنے لگتا۔ اُس کی گردن کے زخم سے خُون برابر بہہ رہا تھا مگر کم کم۔

کافی دیر تک ہرن کے پیچھے بھاگتے رہنے کے بعد جا کے شہزادہ کہیں اصل معاملہ سمجھ پایا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ایک تو ہرن کا نرخرہ تیر کی زد میں نہ آیا تھا۔ دوسرے تیر کے گردن میں اٹکے رہنے کی وجہ سے دونوں جانب کے

زخموں کے منہ بھی بند تھے۔ یوں زیادہ خون نہ بہہ سکتا تھا۔ تنگ آ کر شہزادے نے اُس پر ایک اور تیر پھینکا۔ یہ نشان کارگر ثابت ہوا۔ تیر ہرن کے دل میں اٹک کر رہ گیا۔ بس ایک ہی اُچھال لینے کے بعد وہ پہلو کے بل گِرا اور تڑپنے لگا۔ شہزادہ دوڑ کر اُس کے قریب جا پہنچا اور جاتے ہی خنجر اُس کے حلق پر پھیر دیا۔

شکار اُسے مِل گیا تھا مگر اب اُس کی سمجھ میں یہ نہ آ رہا تھا کہ وہ جائے تو کدھر جائے! بھاگ دوڑ میں دائیں بائیں، آگے پیچھے اُس نے اتنے چکر کھائے تھے کہ واپسی کے لیے صحیح سمت نہ طے کر سکتا تھا۔ شہزادی کی بھوک اور پریشانی کے خیال نے اُسے سوچنے سمجھنے کی زیادہ مہلت نہ دی۔ ہرن کو پیٹھ پر لاد کر وہ اندازے سے ایک طرف کو چل دیا۔ اس کے بعد جدھر دل گواہی دیتا، اُدھر مُڑ جاتا۔ جہاں شک گزرتا وہاں سے واپس پلٹ پڑتا۔

چڑھتے چڑھتے سورج سر پر آ گیا اور پھر ڈھلنے بھی لگا مگر وہ جنگل ہی میں بھٹکتا رہا۔ آخر کار بھُوک پیاس اور تھکن نے اسے نڈھال کر دیا۔ مجبور ہو کر دم لینے کے خیال سے وہ ایک جھاڑی کے نیچے لیٹ گیا۔ جس مقام پر وہ اس وقت تھا۔

وہاں دُور دُور تک چاروں طرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں اور زمین ہموار تھی۔ کافی دُور ایک جانب ٹیلوں کا ایک لمبا سلسلہ نظر آتا تھا، جس میں سے ہو کر ایک ڈھلوان پگڈنڈی اِس میدان کی طرف آتی تھی۔ شہزادے کی تکان پوری طرح دُور نہیں ہوئی تھی لیکن وہ وقت کو گزرتے دیکھ کر ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے شہزادی تک پہنچ جانا چاہتا آتا۔ اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا اور پھر دل کی گواہی پر ٹیلے والی پگڈنڈی کی طرف بڑھنے لگا۔

آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک اُس کے قدم خُود بخود رُک گئے۔ ایک چھوٹا سا مٹیالا سانپ اس سے چند فُٹ آگے لہراتا چلا جا رہا تھا۔ اگر وہ رُک نہ جاتا تو یقیناً اُس کا دُوسرا قدم سانپ کی دُم پر پڑتا۔

یہ ناگہانی آفت ٹل جانے پر اُس نے خُدا کا شکر ادا کیا۔ البتہ اچانک اُس کے دل میں یہ وہم پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ غلط راستے پر تو نہیں جا رہا ہے۔ آگے بڑھنے کا آخری فیصلہ کرنے کے لیے وہ چند قدم چل کر پھر ٹھہر گیا اور بڑے غور سے ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔

ابھی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اس کی نگاہ پگڈنڈی کے اُس حصّے پر جم کر رہ گئی جہاں سے وہ ٹیلے کے اندر غائب ہو جاتی تھی۔ اچانک وہاں اُس کو ایک خوفناک شخص کھڑا نظر آیا جو پیچھے مُڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے کسی دوسرے آنے والے کا انتظار کر رہا ہو۔ شہزادہ چونک کر فوراً ایک جھاڑی کی اوٹ میں چھُپ کر بیٹھ گیا اور اُس شخص پر نگاہیں جما دیں۔ چند لمحوں بعد خوفناک شخص نے گردن موڑی اور اطمینان کے ساتھ پگڈنڈی سے نیچے اُترنے لگا۔ شہزادہ اُس سے نگاہیں ہٹا کر مسلسل پگڈنڈی کے آخری سِرے کی جانب دیکھتا رہا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک نوجوان عورت ٹیلے کی اوٹ سے سامنے آئی اور پھر سنبھل سنبھل کر ڈھلوان پگڈنڈی طے کرنے لگی۔ جو کچھ شہزادے نے دیکھا اُسے اُس پر یقین نہ آ رہا تھا۔ حیرت اور جوش کے سبب اُس کا عجیب حال ہو رہا تھا۔ آگے چلنے والا شخص اپنی وضع قطع سے کوئی جادُوگر معلوم ہو رہا تھا اور اُس ان پیچھے آنے والی عورت شہزادی مہ جبین کے سوا کوئی اور نہ تھی۔

وہ جس طرح جادُوگر کے پیچھے لگی چلی آ رہی تھی، اس سے یہ وہم تک نہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ قیدی ہے اور خوف زدہ ہے۔ یہ دیکھ کر، شہزادہ زیادہ دیر تک

اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا۔ جھاڑیوں کی اوٹ میں رہتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ جلد ہی وہ اُس مقام پر جا پہنچا جہاں سے پگڈنڈی اُس ہموار میدان میں لاتعداد جھاڑیوں کے ارد گرد گُم ہو جاتی تھی۔ جادُوگر اُس وقت ڈھلوان طے کر چکا تھا اور پیچھے مُڑ کر شہزادی مہ جبین کو آتا دیکھ رہا تھا۔

موقع سے فائدہ اٹھا کر شہزادہ ایک جھاڑی کی اوٹ میں چھُپ گیا۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پھر اُس نے سوچا مُمکن ہے یہ جادُوگر شہزادی کا وفادار غلام ہو۔ دونوں کسی محفوظ جگہ پہنچ کر مجھے تلاش کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مگر یہ بات اُس کی سمجھ میں نہ آئی کہ اگر ایسا ہی ہے تو دل آرام ان کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟

جوش میں آکر اُس نے ایک تیر کمان میں جوڑا اور نشانہ لے کر چِلّا کھینچا۔ وہ تیر چھوڑنے ہی والا تھا کہ عین اُسی وقت کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے شہزادی اپنے آپے میں نہیں ہے۔ اُس کی آنکھوں میں کچھ ایسی کیفیت دکھائی دے رہی تھی جیسے وہ کسی آسیب کے اثر میں ہو۔ شہزادے نے تیر روک لیا۔ جادُوگر اس کے سامنے ہی سے ہو کر گزرا تھا۔ شہزادی بھی اُسی راستے پر آ رہی تھی۔

اُس نے شہزادی کو قریب سے دیکھنے اور اُس کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کا ارادہ کیا۔

جلد ہی شہزادی اس جھاڑی کے قریب آ گئی جس میں شہزادہ چھپا ہوا تھا۔ اس موقع پر شہزادے نے اپنا سر جھاڑی سے باہر نکال کر شہزادی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ شہزادی نے رُکے بغیر ایک کھوئی کھوئی سی اُچٹتی نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔ شہزادے کو سو فی صد یقین ہو گیا کہ جادُوگر نے اُس پر سحر کر رکھا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ اُٹھا اور تیر کمان لیے جادُوگر کے پیچھے دوڑ پڑا۔

جادُوگر اُس کے قدموں کی آواز سُن کر چونکا۔ وہ سمجھا کسی اندیشے سے شہزادی نے دوڑ لگائی ہے۔ اُس نے مُڑ کر پیچھے دیکھا تو اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ شہزادہ اسد اُسے اپنے تیر کا نشانہ بنانے پر تُلا ہوا تھا۔ اُس سے چند قدم کے فاصلے پر شہزادی مہ جبین اُسے کھوئی کھوئی نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ جادُوگر نے بچاؤ کے لیے کوئی منتر پڑھنا شروع کیا مگر اُس کے لب ہلے ہی تھے کہ شہزادے کا چھوڑا ہوا تیر سنسناتا ہوا آیا اور اُس کے دل میں

پیوست ہو گیا۔ ایک خوفناک چیخ اُس کے منہ سے نکلی اور وہ خاک وخون میں تڑپنے لگا۔ پھر وہی ہوا جو ہر جادُوگر کے مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ آندھی چلی۔ تاریکی چھائی۔ چیخ پُکار ہوئی اور آخر میں صدا آئی۔ ''آہ! مجھے خاک میں ملایا۔ میرا نام ظالم جادُوگر تھا۔''

جادُوگر کے مرتے ہی اُس کا جادُو بھی اثر کھو بیٹھا۔ شہزادی مہ جبین ہوش میں آ گئی اور اُس نے شہزادے کو پہچان لیا اور دل آرام کی روانگی سے لے کر دوسرے جادُوگر سے ہونے والی تکرار تک اپنی ساری رُوداد کہہ سُنائی۔ اُسے اِس بات کا قطعی پتا نہ تھا کہ جادُوگر نے اُس پر سحر کر دیا تھا اور وہ اس جگہ تک اُس ت ساتھ ہی پہنچی ہے۔

جب اسد نے اُسے اپنی آپ بیتی سنانے کے بعد یہ بات بتائی اور جادُوگر کی لاش دکھائی تو شہزادی سنّاٹے میں آ گئی۔ یہ تصوّر کر کے اُس کا دل بیٹھنے لگا کہ وہ ایک ملعون جادُوگر کے قبضے میں آ گئی تھی۔ شہزادہ اُس کی یہ حالت دیکھ کر سہم گیا۔ وہ اُسے سمجھانے لگا۔

”اب گزری باتوں کو یاد کر کے صدمہ نہ کرو۔ اِس میں بھی ہماری اچھائی تھی۔ اگر تمہارے ساتھ یہ سب نہ ہوتا تو تم ہرگز یہاں تک نہ پُہنچ پاتیں۔ اب افسوس صرف اِس بات کا ہے کہ دل آرام ہمارے ساتھ نہیں، خدا جانے اُس غریب پر کیا گزری۔ وہ کہاں اور کِس حال میں ہے۔“

”ہائے دل آرام کو تو میں بھول ہی گئی تھی۔“

شہزادی نے چونکتے ہوئے کہا۔ ”بے چاری! وہ تُمہیں ڈھونڈنے نکلی تھی۔ اب ہم دونوں مل کر اسے ڈھونڈیں گے۔ جب تک نہ مِل جائے گی اِس جنگل کو چھوڑ کر نہ جائیں گے۔“

اِس گفتگو کے بعد دونوں ٹیلا پار کر کے ایک چشمے کے کنارے جا بیٹھے۔ شکار کیے ہوئے ہرن کی کھال اُتاری، گھاس کو اکٹھا کر کے الاؤ جلایا اور گوشت بھوننے لگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ خطرہ گزر چکا ہے۔

سورج ڈوبنے میں ابھی خاصا وقت تھا لیکن انہوں نے طے کر لیا تھا کہ ارد گرد آگ جلا کر رات وہ اِسی جگہ گزاریں گے۔ تھکن اُن پر غالب آچکی تھی۔ اس

حالت میں زیادہ آرام دہ اور محفوظ جگہ تلاش کرنے کا اُن میں حوصلہ نہ رہا تھا۔

وہ اس بات سے قطعی غافل تھے کہ جادُوگر کے مرنے پر جو ہنگامہ مچا تھا، اُس نے جنگل میں بھٹکنے والے دو افراد کو اُن کی طرف متوجّہ کر دیا تھا۔ اُن میں ایک تھی دل آرام، دوسرا تھا شُعلہ جادُو۔ افراسیاب کے روانہ کیے ہوئے لوگوں میں سب سے زیادہ خطرناک جادُوگر۔ دونوں مختلف سمتوں میں تھے اور اپنی اپنی جگہ سے اُس طرف بڑھ رہے تھے جہاں اس وقت شہزادی اور شہزادہ موجود تھے۔ الاؤ سے آنے والا دھواں اُن کی رہنمائی کر رہا تھا۔

الاؤ کے قریب پہلے دل آرام پہنچی۔ شہزادے اور شہزادی کو دیکھ کر وہ خوشی سے چیختی ہوئی اُن کی طرف بھاگی۔ وہ دونوں اُسے پا کر بے حد خوش ہوئے۔ لیکن ابھی وہ ایک دوسرے کو اپنی آپ بیتی نہ سُنا پائے تھے کہ شُعلہ جادُو بھی آ پہنچا۔ پہلی ہی نظر میں وہ ان تینوں کو پہچان گیا۔ اِتّفاق سے شہزادے کی بھی اُس پر نگاہ پڑ گئی۔ فوراً ترکش سے تیر نکال کمان میں جوڑا لیکن قبل اُس کے کہ وہ کمان کو کھینچتا، شُعلہ نے کوئی منتر پڑھ کر اُن کی طرف پھُونک دیا۔ جو جس

حالت میں تھا اُسی حالت میں سُن ہو کر رہ گیا۔ شُعلہ قہقہہ لگاتا اُن کے قریب پہنچا، طلسمی جال جھولی سے نکال کر پھیلایا۔ تینوں کو اُس میں باندھا اور پھر جال کو کاندھے پر ڈال کر اُڑتا ہوا شہنشاہ افراسیاب کی سمت چل دیا۔

کاغذ کی چڑیا

اب شہزادہ، شہزادی اور دل آرام کر تو اُن کے حال پر چھوڑیے، شُعلہ جا کر انہیں گرفتار کیے اُڑنے دیجیے اور کچھ حال اُن عیّارانِ نامدار کا سُنیے جو الگ الگ طلسم ہوش ربا کی حد میں داخل ہوئے تھے۔ اگر آپ ان کے نام بھُول گئے ہوں تو پھر سے یاد کر لیجیے۔ ایک تھا ضرغام شیر دِل، دوسرا تھا مہتر قِہران، تیسرا عیّار مہتر قران کا بیٹا جان سوز، چوتھا برق فرنگی اور پانچواں عیّار اُن سب کا اُستاد عُمرو تھا۔

مختلف سمتوں سے طلِسم ہوش ربا میں داخل ہو کر پانچوں عیّار آگے بڑھتے گئے۔ کہیں انہوں نے دریا پار کیے، کہیں پہاڑ۔ کہیں اُن کی راہ میں صحرا آئے، کہیں بنجر بیابان، کہیں شہر، کہیں دیہات، چونکہ اُن سب نے جادُوگروں کا بہرُوپ اختیار کر رکھا تھا اس لیے کہیں بھی کِسی نے اُنہیں نہ ٹوکا۔ جہاں چاہتے گھومتے پھرتے۔ جِدھر جانا چاہتے چلے جاتے۔

اتفاق سے عُمرو ایک ایسی جگہ جا نکلا جسے دیکھ کر اس کے قدم خُود بخود رُک گئے۔ حیرت، خُوشی اور لالچ سے اس کا عجیب حال ہوا۔ بات ہی ایسی تھی۔ اُس کے سامنے اپنی قسم کا ایک انوکھا جنگل تھا جس میں دُور دُور تک نظر آنے والے سارے چھوٹے بڑے درخت چاندی کے تھے۔ اور زمین پر گھاس کے بجائے ہر طرف مُقیش یعنی سونے چاندی کے تار لہلہاتے دکھائی دے رہے تھے۔ بھلا ایسے قیمتی جنگل پر ہاتھ صاف کے بغیر عُمرو آگے کیسے جا سکتا تھا۔ کرامتی زنبیل تو اُس کے پاس تھی ہی۔ اُس میں تو بہت کُچھ سما سکتا تھا۔

لالچ میں آکر اُس نے درختوں کو جڑ سے اکھاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ جتنے ہُنر اور اوزار وہ استعمال کر سکتا تھا سب کر ڈالے لیکن ناکام رہا۔ جھنجھلا کر

شاخیں کاٹنے پر جُٹ گیا۔ یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔ مجبوراً اُس نے مُقیش ہی کو غنیمت جانا۔

زنبیل سے قینچی نکالی اور کاٹ کاٹ کر مقیش کا ڈھیر لگانے لگا۔ اِس دُھن میں اُسے کسی دُوسری بات کا ہوش نہ رہا۔ کچھ دیر بعد اچانک اُس کے ان میں آواز آئی۔

”خبردار اے عُمرو! تیری قضا آ پہنچی۔ مرنے کے لیے تیّار ہو جا۔“

عُمرو نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک خوفناک جادُوگر کو اپنے قریب کھڑا پایا۔ چمچماتا ہُوا خنجر اُس کے ہاتھ میں تھا اور اُس کی آنکھوں سے خُون ٹپکتا تھا۔

خطرے کو سر پر محسوس کر کے عُمرو نے حسرت کے ساتھ مقیش کے ڈھیر کی طرف دیکھا اور بھاگ جانے کے لیے چھلانگ لگائی۔ جادُوگر نے مُہلت نہ دی۔ فوراً ہی کچھ پڑھ کر اُس کی طرف پھونکا۔ دُوسرے ہی لمحے زمین نے عُمرو کے پاؤں جکڑ لیے۔ بے بس ہو کر وہ جُوں کا تُوں کھڑا رہ گیا۔ جادُوگر نے فاتحانہ قہقہہ لگایا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا بولا:

”اے عُمرو! سُنا تھا تُو بڑا چالاک ہے مگر نِرا گاؤدی نکلا۔ چاندی کا یہ جنگل میں نے تیرے پھانسنے کو بنایا تھا۔ بول مات کھا گیا نا؟“

عُمرو نے اُسے شک میں مبتلا کرنے کے لیے اِحتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ”اے بھائی! میں عُمرو نہیں، گھسیارا ہوں۔ عقل سے کام لو۔ ایسا نہ ہو تُم مُجھ سے اُلجھے رہو اور عُمرو بچ کر نکل جائے، کوئی چار سو گز پیچھے کی طرف میں نے ایک آدمی کو چاندی کے درخت پر چڑھتے دیکھا تھا۔ وہی عُمرو ہو گا۔ کہیں اُس کے دھوکے میں مجھ غریب بے گناہ کے خُون سے ہاتھ نہ رنگنا۔“

”تم جھوٹ بولتے ہو۔“ جادُوگر نے غُصّے سے خنجر بُلند کرتے ہوئے کہا۔ ”تم ہی عُمرو ہو۔ شہنشاہِ طلِسم مُجھے تُمہاری خبر دے چکا ہے۔ میرے خنجر کی پیاس اب تمہارے ہی خون سے بجھے گی۔“

”کوئی پروا نہیں۔ مار ڈالو“ عُمرو نے اُسے دھمکاتے ہوئے کہا۔ ”میں بے بس ہُوں۔ تُمہارا وار نہیں روک سکتا۔ لیکن یاد رکھو! میری بیٹی ملکۂ حیرت کی کنیز ہے اور تُم خوب جانتے ہو کہ ملکۂ حیرت شہنشاہ طلِسم افراسیاب کی چہیتی بیگم

ہے۔ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میری بیٹی تمہیں بھی زِندہ نہ رہنے دے گی۔"

"تو مجھے چکّر نہیں دے سکتا۔" جادُوگر نے عُمرو کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔

"میں ضرور تجھے قتل کروں گا۔ہاں مرنے سے پہلے سُن لے۔ میرا نام مقرنس جادُو ہے۔ آج تک کوئی مجھے دھوکا نہیں دے سکا ہے۔"

"بھائی مقرنس! ذرا ٹھہرنا۔" اچانک ایک قریبی درخت کی جانب سے آواز آئی۔

مقرنس اور عُمرو دونوں حیرت کے ساتھ اُس طرف دیکھنے لگے۔ آواز دینے والا ایک جادُوگر معلوم ہوتا تھا۔ کندھے میں جھولی لٹکی تھی۔ گلے میں سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ کانوں میں مُندرے پڑے تھے۔ بدن پر ایک ڈھیلا ڈھالا پیراہن تھا اور چہرے پر رنگارنگ لکیریں بنی تھیں۔

مقرنس کے قریب پہنچتے ہوئے اُس نے کہا "سامری کا شُکر ہے، میں عین وقت پر پُہنچا۔"

"کیا مطلب؟ کون ہو تُم؟" مقرنس نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

”میں ناگ دیش کے جادُوگروں کا ایک سردار ہُوں۔“

آنے والے نے جواب دیا۔ ”یہ آدمی جسے تم قتل کرنے والے تھے، میرے یہاں سے شیش ناگ کا من چُرا لایا ہے۔ پتا نہیں اس کے پاس ہے یا اِس نے بیچ دیا ہے۔ میرے پاس کُل دو ہی مَن تھے۔ اِنہی پر میری سرداری چلتی تھی۔ اگر دُوسرے کا پتا نہ چلا تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ مہربانی کر کے اِس سے پوچھو۔“

یہ کہہ کر آنے والے جادُوگر نے جھولی سے ایک جھلملاتا ہوا شیشے کا انڈا نکالا اور مقرنس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”دیکھو۔ بالکل ایسا ہی مَن تھا۔“

شیش ناگ کا مَن جادُوگروں میں ویسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسے بادشاہوں میں کوہِ نور ہیرا۔ مقرنس نے فوراً وہ انڈا اجنبی جادُوگر کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور للچائی ہوئی نگاہوں سے اُسے گھورتے ہوئے بولا۔ ”سچ؟ کیا یہ شیش ناگ کا من ہے؟ بھئی واہ! کیا چمک دمک ہے۔“

”ابھی کیا ہے۔۔“ اجنبی جادُوگر نے فخر سے کہا۔ ”ذرا اسے مُنہ کی بھاپ دے کر دیکھو۔ آنکھیں چکا چوند نہ ہو جائیں تو کہنا۔ اصلی شیش ناگ کا مَن اِسی طرح پرکھا جاتا ہے۔“

مقرنس یہ سنتے ہی من کو منہ کی بھاپ دینے لگا۔ لیکن بھاپ دے کر ابھی اُس نے من کو مُنہ سے دُور نہ ہٹایا تھا کہ وہ ایک دم دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اس کے اندر سے نیلے رنگ کا ایک دھواں جیسا غبار نکل کر اُس کے منہ اور ناک کے اندر جا گھسا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چکرا کر ِگرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عُمرو حیرت اور پریشانی کے ساتھ اجنبی جادُوگر کو دیکھنے لگا تو اس نے سینہ پھُلا کر نعرہ بلند کیا۔

قیامت ہُوں، بلائے بے اماں ہُوں
غضب ہوں، قہر ہُوں، برقِ تپاں ہُوں
نِرالے ہیں مری حکمت کے پھندے
میں عیّار زماں، مہترِ قہراں ہُوں

عُمرو خوشی سے چیخ پڑا "شاباش! بیٹے شاباش! تم جیسے شاگردوں پر میں ہمیشہ فخر کروں گا۔"

مہتر قِہران نے عُمرو کی جانب دیکھتے ہوئے ادب سے سر جھکایا اور پھر خنجر نکال کر آنِ واحد میں مقرنس کا کام تمام کر دیا۔ مقرنس کے مرنے سے اُس کا تمام جادُو بھی بے اثر ہو گیا۔ عُمرو کے پیر زمین کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ مُقیش کی گھاس اور چاندی کا جنگل غائب ہو گیا۔ آندھی، تاریکی اور چیخ و پکار نے کے بعد عُمرو اور مہتر قِہران نے خُود کو ایک ویران بیابان میں ایک دُوسرے کے سامنے کھڑا پایا۔ دونوں بے اختیار ایک دُوسرے سے لپٹ گئے۔ عُمرو نے مہتر قِہران کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نہ آتے تو شاید آج میں ہلاک ہو جاتا۔"

"استاد! جب تک خدا کو آپ کی زندگی منظور ہے کوئی نہیں مار سکتا۔" مہتر قِہران نے کہا۔ "میں بہت دیر سے مقرنس کی تاک میں تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ آپ کو پھانسنے کے چکر میں ہے۔ درخت کے پیچھے سے میں آپ کی اور اُس

کی باتیں سُنتا رہا تھا۔ تبھی مجھ کو معلوم ہوا کہ اُس نے آپ کو گرفتار کر لیا ہے اور قتل کر دینے پر تُلا ہوا ہے۔"

"خیر! کوئی بات نہیں۔ گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔" عُمرو نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "کمبخت چاندی اور مقیش کے لالچ نے مجھے غافل کر دیا تھا۔"

مہتر قِہران مُسکرایا اور بات بدلتے ہوئے بولا۔ "میرے لیے اب کیا حکم ہے اُستاد۔"

"بس بیٹا! اپنی پسند کی راہ لو۔" عُمرو نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ "خُدا ملائے گا تو پھر ملیں گے۔"

مہتر قِہران نے ادب سے سر جھُکایا اور سلام کر کے اُچھلتا کودتا ایک طرف کو چل دیا۔ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو عُمرو نے بھی اپنی راہ لی۔ ہرن کی طرح چھلانگیں لگاتے ہوئے اس نے بیابان کو پار کیا۔ اِس کے بعد اُسے ببول کا ایک گھنا جنگل مِلا۔ سارا راستہ خطرناک کانٹوں سے اٹا پڑا تھا مگر جُوں تُوں وہ اس

جنگل سے بھی گزر گیا۔ اب اُس کے سامنے ایک لق و دق ریگستان تھا جس کے بیچ میں بہُت دور ایک دُھندلا سا دھبّا دکھائی دے رہا تھا۔

مقرنس جادُو کو عُمرو کی آمد کی اطلاع اور اُس کے ہلاک کرنے کا حکم دینے کے بعد شہنشاہ افراسیاب بے چینی کے ساتھ نتیجے کا انتظار کر رہا تھا۔ مقرنس بہُت چالاک جادُو گر تھا۔ شہنشاہ کو بھروسا تھا کہ وہ عُمرو کے دھوکے میں نہ آئے گا اور قابو پاتے ہی اُسے ہلاک کر ڈالے گا مگر جب اُسے عُمرو کے بجائے مقرنس کے ہلاک ہونے کی خبر ملی تو اسے سخت غصّہ آیا۔ اِسی عالم میں اُس نے کتابِ سامری اُٹھا کر عُمرو کا حال معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ تنِ تنہا نخلستانِ رخشاں کی جانب بڑھا چلا جاتا ہے۔

افراسیاب نے کتاب بند کر کے مقرنس کے عزیز جادُوگروں کو حکم دیا کہ جا کر مقرنس کی لاش اُٹھا لائیں اور اُس کے قاتل کو تلاش کریں۔ یہ حکم دے کر اُس نے تالی بجائی۔ فوراً ایک پُتلا اُس کے سامنے حاضر ہو گیا۔ ایک خط لکھ کر پُتلے کے حوالے کرتے ہوئے افراسیاب نے حکم دیا۔ ”یہ نامہ لے جا کر

نخلستانِ رخشاں کے ساحرِ مہتاب جادُو کو دے آ۔" پتلے نے ادب کے ساتھ نامہ افراسیاب کے ہاتھ سے لیا اور اُڑتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا۔

اُدھر نخلستان رخشاں میں مہتاب جادُو اپنے بنگلے کے باغ میں جادُو گروں کا دربار لگائے بیٹھا تھا۔ اُس کے بنگلے کے دروازے کے اوپر کاغذ کا ایک چاند چپکا ہوا تھا۔ تھا تو کاغذ کا ہی مگر جادُو کے زور سے وہ اس طرح چمک رہا تھا کہ آسمانی چاند بھی اُس کے سامنے شرمندہ تھا۔ باغ کا چپّا چپّا اُس کی چمک سے روشن تھا۔

اچانک ایک پُتلا اُڑتا ہوا آیا اور مہتاب کے سامنے کھڑے ہو کر ایک کاغذ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ مہتاب سمجھ گیا کہ پُتلا شہنشاہِ طلسم افراسیاب کا بھیجا ہوا ہے۔ کوئی خاص فرمان لایا ہے۔ اُس نے نامہ پُتلے کے ہاتھ سے لیا اور بیٹھ کر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"اے مہتاب! عُمرو اور اُس کے چار دوسرے شاگرد تیری حد میں پُہنچنے والے ہیں، یہ سب امیر حمزہ کے وفادار اور خطرناک عیّار ہیں۔ ان میں سے ایک مکّاری سے مقرنس جادُو کو ہلاک کر چکا ہے۔ پس تو ہوشیار ہو جا۔ نہ صرف اپنے آپ کو بچا بلکہ اُنہیں جلد از جلد ہلاک یا گرفتار بھی کر۔"

نامہ پڑھتے ہی مہتاب جادُو نے پُتلے کے سامنے سر جھکایا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ حکم کی پوری پوری تعمیل کی جائے گی۔ پُتلا اُڑ کر واپس چلا گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی مہتاب نے بھی دربار برخاست کیا۔ جادُوگروں کو ہدایت کی کہ بنگلے کے چاروں طرف پھیل جائیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہوں۔ پوری چوکسی کے ساتھ پہرا دیں۔ ہر آنے والے پر نظر رکھیں اور جو آدمی بھی مشکوک نظر آئے گرفتار کر کے پیش کریں۔

پہرے داروں کو یہ تاکید کر کے مہتاب بنگلے کے اندر گیا۔ کمرۂ خاص میں پہنچ کر اُس نے کاغذ کی کُچھ چڑیاں بنائیں اور جادُو پڑھ کر اُنہیں کمرے کے دروازے کے اوپر چپکا دیا۔ حِکمت یہ رکھی کہ اگر عُمرو کسی بھی بھیس میں کمرے کے اندر داخل ہو تو ایک چڑیا اُڑ کر پُکارے۔ "عُمرو آیا۔ عُمرو آیا۔" اور پھر جل کر فرش پر گر جائے۔ اگر آنے والا عُمرو کے علاوہ کوئی دوسرا عیّار ہے تو ایک چڑیا اُس کا نام پکار کر جل جائے۔ اِس طرح پانچوں عیّاروں کی شناخت کے لیے اُس نے پانچ چڑیاں بنائیں اور پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ بنگلے باہر پہرا دینے والے جادُوگروں نے گانا بجانا شروع کر دیا۔ اتفاق کی بات، جس وقت

مہتاب جادُو افراسیاب کا نامہ پڑھ رہا تھا عُمرو بھی باغ کے قریب پانچ چکا تھا۔ حیرت انگیز چاند اور جادُو گر کا دربار دیکھ کر وہ دُور ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔

دربار برخاست کر کے جب مہتاب جادُو گروں کو چوکسی کی ہدایات دینے لگا تھا عُمرو سمجھ گیا تھا کہ ضُرور اُس کو میرے آنے کی خبر ہو چکی ہے۔ خاموشی کے ساتھ اِرد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے وہ بنگلے کے اندر پہنچنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ دروازے کے علاوہ کسی دوسری طرف سے اندر جانے میں اُسے جادُوئی پھندوں کا اندیشہ ہو رہا تھا۔ اور دروازے پر سب طرف سے زیادہ سخت پہرا تھا۔ وہ اِسی شش و پنج میں تھا کہ پہرے دار جادُو گروں کے گانے بجانے کی آواز اُس کے کانوں میں پڑی۔ اُس کا چہرہ کِھل اُٹھا۔ اِس فن میں اُس سے بڑا اُستاد کون ہو سکتا تھا۔ فوراً اُس نے ایک گویّے کا روپ بھرا اور سارنگی بجاتا بے دھڑک بنگلے کے دروازے کی طرف چل دیا۔ پہرے دار جادُو گروں نے جو اُسے اپنی طرف آتے دیکھا تو پہلے تو وہ چونک کر اُسے شبہ کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ مگر جُوں جُوں وہ اُن کے قریب ہوتا گیا، اُس کی سارنگی کا سُریلا

نغمہ اُن کے کانوں میں رس گھولتا گیا۔ اُن کے دِل اُس کی طرف کھنچنے لگے۔ نغمے کے جادُو نے اندیشہ اور اِحتیاط کا سارا خیال اُن کے دماغوں سے نکال دیا۔ قریب پُہنچتے ہی سب نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کِسی نے یہ تک نہ پوچھا کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے اُسے ایک جگہ پر بٹھایا۔ بات کر کے مزے میں خلل ڈالنا کسی کو نہ بھایا۔ عُمرو بھی اِسی بات کو بہتر سمجھتے ہوئے بغیر رُکے سارنگی بجاتا رہا۔

مہتاب جادُو تک سارنگی کی آواز پُہنچی تو وہ غور سے سارنگی کی دُھن سُننے اور اپنا سر دُھننے لگا۔ کچھ دیر بعد عُمرو نے ایک دُوسری دُھن چھیڑ دی۔ یہ پہلی سے زیادہ پھڑکتی ہوئی تھی۔ مہتاب بے خُود ہو کر جھومنے لگا۔ ساز کی یہ قیامت ختم نہ ہوئی تھی کہ عُمرو لہک لہک کر ایک غزل گانے لگا۔ بجانے کے ساتھ گانے کا کمال بھی اُسے اولیا سے عطا ہوا تھا۔ مہتاب جادُو سے زیادہ برداشت نہ ہو سکی۔ کمرے کی کھڑکی کھول کر اُس نے پہرے دار جادُوگروں کو حکم دیا۔ ”اِس گانے والے کو میرے پاس لے آؤ۔“

یہ سُنتے ہی عُمرو کا دِل باغ باغ ہو گیا۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا۔ ”مبارک ہو استاد! شکار خود بخود جال میں آ رہا ہے۔ فتح آپ کے قدموں میں ہے۔“

جیسے ہی ایک پہرے دار نے عُمرو کو بنگلے کے اندر چلنے کا اشارہ کیا، وہ سارنگی سنبھال کر اُس کے پیچھے ہو لیا۔ ہال اور راہداری گزرتے ہوئے اُن کا دماغ تیزی کے ساتھ کام کرتا رہا۔ مہتاب کے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچتے پہنچتے اُس نے اُسے ہلاک کرنے کے کئی منصوبے بنا لیے۔

مہتاب اندر کمرے میں دروازے کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر اُس نے نگاہ اُٹھائی۔ پہرے دار ادب سے سر جھکا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اب عُمرو مہتاب کے سامنے تھا۔ جو نہی عُمرو نے اُسے سلام کیا وہ جوش کے ساتھ بولا۔ ”بے جھجک اندر آ جاؤ تم سے اچھا گویّا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ آج ساری رات تُمہارا گانا سُنوں گا۔ انعام کی فکر نہ کرنا۔ جو مانگو گے، اُس سے زیادہ ملے گا۔“

فتح سامنے دیکھ کر عُمرو دل ہی دل میں اپنے آپ کو شاباش دینے لگا۔ بڑے اعتماد کے ساتھ اُس نے قدم بڑھایا اور دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ ایک بار پھر اُس نے سر جھکا کر مہتاب کو سلام کیا۔

"بس اب دیر نہ کرو۔ شروع ہو جاؤ۔" مہتاب نے شوق سے بے تاب ہوتے ہوئے کہا۔ مگر ابھی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ دروازے کے اوپر لگی ہوئی کاغذ کی ایک چڑیا اپنی جگہ سے اُڑی اور زور زور سے چِلّائی "عُمرو آیا۔ عُمرو آیا" اور پھر مہتاب کے قدموں پر ِگر کر راکھ ہو گئی۔

مہتاب کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ چونک کر اُس نے عُمرو کو دیکھا۔ عُمرو اپنی فتح کے نشے میں مخمور تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وار کرنے سے پہلے ہی دشمن با خبر ہو جائے گا۔ چڑِیا کی پہلی آواز سُن کر وہ چکرا کر رہ گیا کہ کیا کرے کیا نہ کرے! مہتاب کی بھی چند ثانیے یہی حالت رہی۔ لیکن جلد ہی اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ عُمرو کو سکتے میں دیکھ کر اُس کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ پہرے داروں کو بلانے کے بجائے اُس نے منتر پڑھ کر عُمرو کو بے حس کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس کے ہلتے ہوئے لب دیکھتے ہی عُمرو کو بھی ہوش آ گیا۔ آناً فاناً اُس نے

عیّاری کی چادر نکالی اور قبل اِس کے کہ مہتاب منتر پورا کر کے اُس کی طرف پھُونک مارتا چادر اُوڑھ کر کمرے سے نکل گیا۔

عُمرو کو اچانک غائب پا کر مہتاب نے پھر کھڑکی کھولی اور پہرے داروں کو ہر طرف نظر رکھنے اور عُمرو کو ڈھونڈ نکالنے کا حکم دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جادُوگر پہرے دار باغ کے چپّے چپّے میں پھیل گئے۔ جھاڑیوں، درختوں اور نالے نالیوں میں عُمرو کو ڈھونڈنے لگے۔ عُمرو چادر اوڑھے اُن کے بیچ میں سے گزر گیا۔ باغ کے باہر پُہنچ کر اُس نے چادر اُتار کر زنبیل میں رکھی اور چھلانگیں لگاتا دُور جنگل کی طرف نِکل گیا۔ مہتاب نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے کاغذ کی ایک اور چڑیا بنائی اور اُسے پہلی پڑیا کی جگہ لگا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

جنگل میں پُہنچ کر عُمرو کُچھ دیر تک اپنی شکست پر پچھتاتا رہا۔ اِس کے بعد مہتاب پر فتح پانے کے نئے منصوبے بنانے لگا۔ مہتاب نے جادُوئی چڑیوں کے ذریعے خطرے سے آگاہ ہو جانے کا جو انتظام کیا تھا اُس کا کوئی توڑ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے ایک ترکیب اُس کے دماغ میں آئی جس سے مہتاب کو دھوکا دیا جا سکتا تھا مگر مصیبت یہ تھی کہ وہ تنہا تھا اور بغیر کِسی

شاگرد کی مدد کے وہ یہ ترکیب استعمال نہ کر سکتا تھا۔ یکایک اُس کے دماغ میں آئی کہ ہو سکتا ہے میرا کوئی شاگرد بھی اِس نخلستان میں آیا پہنچا ہو پھر کیوں نہ اُسے ڈھونڈا جائے اور اُس کی مدد سے ترکیب آزمائی جائے۔

یہ سوچ کر اُس نے زنبیل میں سے آتش بازی کا ایک بان نِکالا اور اُس کے فلیتے کو آگ دکھا کر آسمان کی طرف چھوڑ دیا۔ بان تِیر کی رفتار سے کئی گُنا زیادہ تیزی کے ساتھ سیدھا اُوپر اُڑتا چلا گیا۔ انتہائی بلندی پر پُہنچ کر وہ پھٹا اور اُس میں سے نیلی روشنی کے لاتعداد ذرّے نِکل کر پھیل گئے۔ پِھر جگنو کی طرح چمکتے بجھتے یہ ذرّے آہستہ آہستہ نیچے آنے لگے۔ عُمرو اِن ذرّوں سے نگاہیں ہٹا کر آسمان پر چاروں طرف دُور دُور تک غور سے دیکھنے لگا۔ کبھی اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی اور کبھی مدھم پڑ جاتی۔ اُس کا ایک ایک لمحہ بے چینی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ اچانک جنگل کے دوسرے گوشے سے ایک دوسرا بان فضا میں بُلند ہوا۔ اُس کے پھٹنے پر جو ذرات ہوا میں بکھرے وہ بھی بالکل اُسی طرح کے تھے جیسے کہ عُمرو کے بان سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ دیکھتے ہی عُمرو خوشی سے اُچھلنے لگا۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ دُور سے کِسی مینڈک کے ٹرٹرانے کی آواز آئی۔ اِک لمحہ اِس آواز پر غور کرنے کے بعد عُمرو نے بھی ویسی ہی آواز نکالی۔ جواب میں پھر وہی آواز آئی۔ عُمرو دوبارہ مینڈک کی طرح ٹھہرایا۔ وقفے وقفے سے یہی ہوتا رہا۔ ہر آن پہلی آواز قریب ہوتی گئی۔ چند لمحوں بعد ایک جٹا دھاری سادھو گلے میں گیروی کفنی اور مالائیں پہنے عُمرو کے سامنے کھڑا تھا۔ بڑھی ہوئی بھنوؤں نے اُس کی آنکھوں کو، اور بڑھی ہوئی مُونچھوں نے اُس کے مُنہ کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ڈاڑھی ناف تک لمبی اور سینے پر خُوب پھیلی ہوئی تھی۔

عُمرو نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر بے ساختہ سینے سے لگالیا۔ وُہ عُمرو کا شاگرد اور مشہور عیّار برق فرنگی تھا۔

"واہ برخوردار! خُوب آئے!" عُمرو نے کہا۔ "مجھے اِس وقت تُمہاری سخت ضرورت تھی۔"

"حاضر ہوں! حکم فرمایئے۔" برقی فرنگی نے جواب دیا۔

”بڑا نازک معاملہ ہے۔“ عُمرو نے کہا۔ ”پہلے تُم ہُو بہُو میری شکل و صورت کے بن جاؤ تو بتاؤں۔“

برق نے جلدی جلدی اپنی پلکیں اور ڈاڑھی مونچھیں نکال کر جھولی میں رکھیں۔ بہروپ کا سامان نِکالا۔ روغنِ عیّاری مُنہ پر مل کر چہرے کو مثلِ موم نرم کیا اور پھر آئینہ سامنے رکھ کر موم بتّی کی روشنی میں ناک نقش عُمرو جیسا بنانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کی شکل ہُو بہُو عُمرو جیسی ہو چُکی تھی۔

بہروپ کا یہ کمال دیکھ کر عُمرو نے ایک بار پھر اُسے گلے سے لگایا اور کہنے لگا۔ ”شاباش! اب سب کُچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ شمال کی طرف غور سے دیکھو۔ دُور درختوں کے جھنڈ کی طرف۔ جہاں کچھ روشنی چمکتی نظر آ رہی ہے۔ وہ ایک باغ ہے۔ اُس کے اندر بنگلے میں نخلستان رخشاں کا جادُوگر سردار مہتاب جادُو رہتا ہے۔ بہت سے دوسرے جادُوگر باغ میں پہرا دے رہے ہیں۔ وہ ہر طرف مُجھے تلاش کر رہے ہیں۔ تُم وہاں جا کر کسی ایسی جگہ چھپنے کی کوشش کرو کہ کوئی نہ کوئی پہرے دار تمہیں دیکھ لے۔ بس! اِس کے بعد تھوڑی سی بھاگ دوڑ کرنے کے بعد گرفتار ہو جانا اور تسلیم کر لینا کہ تم ہی عُمرو ہو اور کچھ

دیر پہلے گویّے کے رُوپ میں مہتاب جادُو کو ہلاک کرنے کے لیے آئے تھے۔"

"جیسا حکم استاد!" برق فرنگی نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر انہوں نے مجھے گرفتار کرتے ہی قتل کر دیا تو؟"

"احمق کہیں کے۔" عُمرو نے غصّے سے پیر پٹختے ہوئے کہا۔ "یہ سوچنا تُمہارا کام نہیں۔ بس سیدھے سیدھے روانہ ہو جاؤ۔ جیسا کہا ہے ویسا کرو۔ دیر مت کرو۔"

"جاتا ہوں استاد۔" برق فرنگی نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور پھر پلٹ کر باغ کی طرف دوڑ لگا دی۔

باغ کے قریب پُہنچ کر برق نے سُن گُن لی۔ اندر خاصی چھل پہل محسوس ہوئی۔ جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپتے چھپاتے وہ چار دیواری کے قریب جا پُہنچا۔ اندر تھوڑے ہی فاصلے پر چند جادُوگر پہرے دار آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جب تک برق چار دیواری کے اوپر سے اندر نہ جھانکتا، اُن کی باتیں صاف نہ سُن سکتا اور اِس طرح جھانکنے میں دیکھے جانے کا ڈر تھا۔ اِس مُشکل کا

حل سوچتے اپنے اچانک اُس کی نگاہ چار دیواری سے مِلنے ہوئے ایک درخت پر پڑی۔ درخت اندر تھا۔ اُس تنا خاصا موٹا تھا اور چار دیواری سے کوئی دو فٹ اُوپر جا کر شاخوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ برق کھسکتا کھسکتا اُس درخت تک جا پُہنچا۔ پھر اُچک کر چار دیواری پر چڑھا اور تنے کی اوٹ سے جھانک کر جادُوگروں کی باتیں سُننے لگا۔

ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ ”باغ کے اندر چپّا چپّا دیکھا جا چکا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے عُمرو باہر بھاگ گیا ہے۔ ہمیں اُسے باغ کے باہر ڈھونڈنا چاہیے۔ جھاڑیوں کی اوٹ میں کہیں چھُپا بیٹھا ہو گا۔“ دوسرے نے جھنجھلا کر کہا۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا باہر بھاگتے ہوئے اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔ وُہ اندر ہے۔ ایک ایک درخت دیکھو۔ کہیں شاخوں میں چھُپا بیٹھا ہو گا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ تیسرا بولا۔ ”ہمیں خشک پتّوں کے ڈھیروں کو بھی کُرید کر دیکھنا چاہیے۔“

”ارے! یاد ہی نہ رہا۔“ چوتھا جادُوگر پیشانی پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ”کسی نے مالیوں کی کوٹھڑیوں، کباڑ خانے اور گودام وغیرہ کی بھی تلاشی لی ہے۔“

"نہیں تو۔" دُوسرے ایک ساتھ بولے۔

"اچھا تو چلو۔" چوتھے جادُوگر نے کہا۔ "پہلے وہاں دیکھ لیں۔"

اِس پر سارے جادُوگر لپکتے ہوئے ایک طرف کو چل دیے۔

جب وہ سب بہت دُور نکل گئے اور باغ کے درختوں کی اوٹ میں گُم ہو گئے تو برق باغ کے اندر داخل ہو گیا اور کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر اور کبھی پیٹ کے بل رینگتے ہوئے ایک کُنج کی طرف بڑھنے لگا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔ اُن کی اوٹ میں احتیاط کے ساتھ بڑھتے رہنے کی وجہ سے جادُوگر اُسے نہ دیکھ سکے۔ آخر وہ کُنج کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں سے اُس نے شاخوں کے درمیان ہے مُخالف سمت کا جائزہ لیا۔ بنگلے کی دیواریں اور اُس کے چاروں طرف چکّر لگانے والے پہرے دار اُسے صاف دِکھائی دے رہے تھے۔ وہ اُنہیں دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک اُسے پُشت کی جانب کُنج کے بالکُل قریب دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ پلٹ کر اُن کی طرف مُتوجّہ ہوا تو اُس نے سُنا۔ ایک کہہ رہا تھا۔

"ہاں ہاں! میں نے ایک آدمی کو چھُپتے چھپاتے اِس طرف آتے دیکھا ہے؟"

"تو پھر وہ کہاں غائب ہو گیا؟ یہاں تو کہیں دکھائی نہیں دیا۔" دوسرے نے بیزاری کے ساتھ کہا۔

"ممکن ہے وہ اِن درختوں کے جھنڈ کی طرف نِکل گیا ہو۔" پہلے نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں!" دوسرے نے کہا مگر لگے ہاتھوں اُس کُنج کو کیوں نہ دیکھ لیں۔"

یہ سُنتے ہی برق بیٹھ گیا اور پھُلواری کی شاخوں سے خُود کو چھُپانے کی کوشش کرنے لگا۔ باری باری دونوں پہرے دار اور جادُوگروں نے کُنج کے اندر نگاہ دوڑائی مگر برق کو نہ دیکھ سکے اور مایوس ہو کر درختوں کے جھُنڈ کی طرف چلے۔ برق کو جو شرارت سوجھی تو کُنج سے نِکل کر پنجوں کے بل لپکتا ہُوا ان کے پیچھے جا پُہنچا اور قبل اِس کے کہ وہ اُس کی طرف پلٹ کر دیکھتے، زور سے دونوں کے سر آپس میں ٹکرا دِیے، دونوں ہڑبڑا کر گِر پڑے۔ برق نے فوراً نعرہ لگایا۔

"میں ہوں امیر حمزہ کا یارِ وفادار، یگانۂ روزگار، عُمرو عیّار۔ جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔"

جادُوگر یہ سُن کر غُصّے سے اُٹھنے لگے۔ برق نے لپک کر اُٹھنے سے پہلے ہی اُن کے سِینوں پر اُچھل اُچھل کر لاتیں جمائیں۔ دونوں پھِر ِگر پڑے اور اِسی حالت میں چلّانے لگے۔ ''لینا پکڑنا! عُمرو یہاں ہے۔ گھیر لو، جانے نہ پائے۔'' اُن کی چیخ پُکار سُن کر بُہت سے جادُوگر اُس طرف کو دوڑ پڑے۔ برق اُن کی طرف متوجہ ہُوا تو دونوں ِگرے ہوئے جادُوگر بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب نے برق کو گھیرے میں لے لیا۔ برق اُن کے درمیان اُچھلتا ہوا چکّر لگانے لگا۔ جادُوگروں نے گھیرا تنگ کیا تو غڑاپ سے ڈُبکی لگا کر وہ گھیرے سے باہر نکل گیا۔ اِس کے بعد بڑی دیر تک اُن کے درمیان یہی کھیل ہوتا رہا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر بھاگنے کے بعد برق جادُوگروں کے نرغے میں آجاتا۔ وُہ دائرہ تنگ کر کے اُسے پکڑنے کی کوشش کرتے اور وہ اُچھال یا ڈُبکی لگا کر صاف باہر نِکل جاتا۔

شور اور ہنگامے کی مُسلسل آوازیں سُن کر مہتاب جادُو کی آنکھ کھُل گئی۔ کھڑکی کھول کر اُس نے پہرے داروں کے جمعدار سے اُس کا سبب دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا۔ ''عُمرو دکھائی دے گیا ہے سردار! باغ کے ایک کُنج

میں چھُپا ہوا تھا۔ بڑی دیر سے پہرے دار اُسے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ گھیرے میں آکر صاف نکل جاتا ہے۔"

"ڈوب مرو!" مہتاب جادُو نے غصّے سے کہا۔ "ایک آدمی نے اِتنے ساروں کو نچا رکھا ہے۔ جادُو کی طاقت سے کام کیوں نہیں لیتے۔ اِس تماشے کی کیا ضُرورت ہے۔" یہ کہہ کر مہتاب نے اپنی کمند اُٹھائی اور درختوں کے اُس جھُنڈ کی طرف نظریں جما دیں جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔

عین اُسی وقت برق جادُوگروں کا گھیرا توڑ کر بنگلے کے دروازے کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس کے پیچھے پہرے دار جادُوگر شور مچاتے چلے آ رہے تھے۔

مہتاب نے اُسے دیکھتے ہی کوئی منتر پڑھا اور کمند کو برق کی طرف اُچھال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کمند نے لہرا کر برق کو اُوپر سے لے کر نیچے تک اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بے بس ہو کر وہ زمین پر گر پڑا۔ پیچھے آنے والے جادُوگروں نے سر اور پیر پکڑ کر اُسے اٹھایا اور لا کر مہتاب جادُو کی کھِڑکی کے سامنے ڈال دیا۔

مہتاب نے غور سے برق کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیوں عُمرو! پکڑے گئے نا؟ دیکھا! میرے سامنے تیری کوئی عیّاری کام نہ آ سکی۔ اچھا، اب آرام کرو کل رات میں تم سے گانا سُنوں گا۔ اگر تُم نے مجھے خُوش کر دیا تو اِسی حالت میں شہنشاہ افراسیاب کی خِدمت میں بھیج دوں گا۔ ورنہ پھر خُود اپنے ہاتھ سے تُمہارا سر اُڑا دوں گا۔“ یہ کہہ کر مہتاب نے کھڑکی بند کر دی۔

پہرے دار جادُوگروں نے برق کو اُسی حالت میں پڑا رہنے دیا۔ سب اُسے عُمرو ہی سمجھتے تھے۔ اُس کے پکڑے جانے کے بعد کسی کو کوئی اندیشہ نہ رہا۔ ایک ایک کر کے سب سو گئے۔ برق کو عُمرو نے یہ نہ بتایا تھا کہ اس کے گرفتار ہونے کے بعد وہ کیا کرے گا۔ تاہم وہ اپنی جگہ یہی سمجھتا رہا کہ اُستاد اِرد گرد کہیں چھُپے ہوں گے۔ جادُوگروں کو سوتا پا کر چُپکے سے آئیں گے۔ مجھے رہا کریں گے اور پھر دونوں بنگلے کے اندر جا کر مہتاب جادُو کا کام تمام کر دیں گے۔ اِسی خیال سے پہرے داروں کے سو جانے کے بعد اُس نے ایک پل کے لیے پلک نہ جھپکائی۔ زمین پہ پڑے پڑے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتا رہا

اور عُمرو کے آنے کا اِنتظار کرتا رہا۔ ذرا بھی کسی طرف ہوا کے جھونکوں سے کوئی سرسراہٹ ہوتی تو وہ اُسی طرف نگاہیں جما دیتا۔

رات ڈھلتی رہی۔ برق کا انتظار شدّت اِختیار کرتا گیا۔ مگر عُمرو کا کہیں پتا نہ تھا۔ ہوتے ہوتے صبح صادِق کا وقت ہو گیا۔ آسمان پر سرخ چمک پھیلنے لگی اور پھر سورج بھی نکل آیا مگر نہ عُمرو دکھائی دیا نہ باغ اور بنگلے کے اندر کوئی ہنگامہ سُنائی دیا۔ اب برق کو اپنے انجام کی فکر ہونے لگی۔ گانا اُسے خاک نہ آتا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اُستاد دن میں آکر مُجھے نہ چھڑا سکیں گے۔ اور شام ہونے پر جب میں مہتاب جادُو کو گانا سُنا کر خُوش نہ کر سکوں گا تو ضُرور وہ میری گردن اُڑا دے گا۔ جادُوئی کمند سے آزاد ہونے کی دو ہی صورتیں تھیں۔ مہتاب یا تو خُود چھڑائے یا کسی طرح ہلاک ہو جائے۔ مہتاب کو ہلاک کرنا اُس کے بس میں نہ تھا۔ مجبوراً وہ کسی ایسی ترکیب کے لیے دماغ لڑانے لگا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی مہتاب خُود کمند کو واپس لے لے۔

مہتاب کی عادت تھی کہ سو کر اُٹھتا تو کچھ دیر بنگلے کی چھت پر جا کر ٹہلا کرتا تھا۔ آج بھی جس وقت برق اپنی رہائی کی فکر میں الجھا ہوا تھا، مہتاب چھت پر

چہل قدمی کر رہا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کہیں کوئی رو رہا ہو۔ ٹھہر کر اُس نے اِدھر اُدھر غور سے دیکھا مگر نہ کہیں کوئی آدمی دکھائی دیا نہ کوئی آواز سنائی دی۔

وہ سمجھا محض وہم ہے۔ بے فِکر ہو کر پھِر ٹہلنے لگا مگر جلد ہی پھِر چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اِس بار نہ صرف ہچکیوں اور بَین کی آواز صاف سُنائی دی تھی بلکہ آواز بھی کسی عورت کی محسوس ہوئی تھی۔ دو چار قدم آگے پیچھے دائیں بائیں ہونے سے اُسے اندازہ ہو گیا کہ شمال کی سمت سے آنے والے ہوا کے جھونکے یہ آوازیں اُس کے کانوں تک پہنچا رہے ہیں۔ باغ کے باہر اُس سمت یا یقیناً کوئی مُصیبت زرہ عورت بلک بلک کر رو رہی ہے۔ آواز کی سمت زیادہ غور سے دیکھنے پر اُسے ایک جھاڑی کے قریب ایک عورت کی جھلک دکھائی دی۔ وہ شادی کے سُرخ جوڑے میں تھی اور نو بیاہتا دلہن معلوم ہو رہی تھی۔

مہتاب تیزی کے ساتھ کوٹھے سے اُتر کر پیچھے آیا۔ دو پہرے داروں کو حکم دیا کہ وہ جا کر اُس عورت کا حال پُوچھیں۔ اور ہو سکے تو بنگلے میں لے آئیں۔ دونوں پہرے دار بھاگتے ہوئے باغ سے باہر گئے اور اس عورت کو ڈھونڈنے

لگے۔ اُنہیں زیادہ تکلیف نہ اُٹھانی پڑی۔ وہ عورت اب بھی بین کر رہی تھی۔ اُس کی آوازے کے سہارے وہ جلد اُس تک پہنچے مگر اُس سے بنگلے میں چلنے کے لیے کہا تو وہ اور بلکنے لگی۔ ایک پہرے دار نے اُسے تسلّی دینے کے خیال سے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہا تو وہ تڑپ کر اُٹھی اور بھاگ کر ایک دُوسری جھاڑی کی اوٹ میں جا پہنچی۔ وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔

"بھائیو! مجھے نہ چھیڑو ویسے ہی میرا سہاگ اُجڑ چکا ہے۔ میں برباد ہو چکی ہوں۔ اِس دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ اے زمین پھٹ جا کہ میں جیتے جی تجھ میں سما جاؤں۔ اے آسمان! اُٹھا لے کہ اب مجھ سے دکھ برداشت نہیں ہوتے۔ پہلے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کروں! کہاں جاؤں۔"

پہرے دار کچھ دیر ہمدردی کے ساتھ اُسے خاموشی سے کھڑے دیکھتے رہے اور پھر جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس چلے گئے۔ مہتاب جادُو نے اُن سے خالی ہاتھ واپس آنے کا سبب پُوچھا تو اُن میں سے ایک نے ادب کے ساتھ جواب دیا۔

”سر دار! اُس نے ہمارے ساتھ آنے سے انکار کر دیا ہے زبر دستی ساتھ لانے کی ہمّت ہم میں پیدا نہ ہو سکی۔ اُس کی آہ و بُکا نے ہمارے دل تڑپا دیے ہیں۔ نئ دُلہن لگتی ہے لیکن بُہت دُکھی ہے۔ مُناسب سمجھیں تو خُود تشریف لے چلیں۔ مُمکن ہے آپ کی بات مان جائے۔“

مہتاب کا دِل پہلے ہی پسیج چکا تھا۔ یہ باتیں سُن کر اور نرم ہو گیا۔ پہرے داروں کو اُس نے وہیں رہنے کا اشارہ کیا اور خُود تیزی کے ساتھ چلتا ہُوا لڑکی کے قریب جا پہنچا۔ وہ اُس کی منت سماجت کرنے لگا کہ اپنا حال بتائے اور اُس کے ساتھ چلے۔ لڑکی نے پیچھا چھُڑانے کی بڑی کوشش کی لیکن جب مہتاب نہ مانا تو لڑکی مجبور ہو گئ۔ سسکیاں لیتے ہوئے اُس نے کہا۔

”میرا باپ وادئ الماس کا ایک معزز سر دار ہے۔ میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے ہونے والی تھی مگر کسی بات پر ناراض ہو کر وہ ملکِ زعفران چلا گیا۔ وہ بہت عقل مند اور بہادُر تھا۔ جلد وہ وہاں کے بادشاہ کا وزیر بن گیا۔ پھِر کئ برسوں کے بعد واپس آیا تو میرا اُس سے نکاح کر دیا گیا۔ اِس بات کو آج چوتھا دِن ہے۔ پرسوں رات والد نے مجھے رُخصت کیا اور میں اپنے شوہر کے ساتھ

ملکِ زعفران روانہ ہوئی۔ ہمارے ساتھ حفاظت کے لیے کافی آدمی تھے۔

گزشتہ رات نخلستان کی سرحد پر ہم نے پڑاوٗ ڈالا۔ مگر ہم سب گہری نیند میں

تھے کہ قزّاق ہمارے قافلے پر ٹوٹ پڑے۔ ظالموں نے میرے شوہر کو قتل

کر دیا۔ میں بد حواس ہو کر بھاگ نکلی۔ اب یہاں خُود کر تنہا اور بے یار و

مدد گار پاتی ہوں اور اپنی قسمت کو روتی ہوں۔“

مہتاب نے اُس کی یہ رُوداد سُن کر اُسے تسلّی دی اور اُسے اپنے ساتھ چلنے کو

آمادہ کر لیا۔ لیکن لڑکی کو جب اُس نے یہ بتایا کہ وہ جادُو گر ہے تو وہ بپھر گئی۔

کہنے لگی۔

”نا بابا! میں جادُو گروں سے نہیں نباہ سکتی۔ جادُو سے مُجھے خوف آتا ہے۔ اِس

سے بہتر ہے کہ میں کہیں اور چلی جاؤں یا اپنی جان دے دوں۔“

مہتاب نے فوراً ہی جمشید اور سامری کی قسمیں کھا کہ جادُو سے توبہ کی اور عہد

کیا کہ وہ کبھی جادُو کی کسی چیز کو اِستعمال نہ کرے گا۔ بڑی مشکل سے لڑکی

راضی ہوئی۔ وہ اسے ساتھ لیے اپنے بنگلے میں داخل ہوا۔ لیکن جیسے ہی وہ

دونوں کمرے میں داخل ہوئے، کاغذ کی ایک چڑیا اُڑ کر پُکاری۔ ''عُمرو آیا۔
عُمرو آیا اور پھر وہ جل کر فرش پر گر گئی۔

طِلسمی ہار

کاغذی چڑیا کی پکارے سُنتے ہی لڑکی دہشت سے چیخ پڑی اور پھر مہتاب کا گریبان پکڑ کر غصّے سے کہنے لگی۔ ”کیا مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو نے کہا تھا جادُو نہیں کرے گا۔ پھر یہ کاغذی چڑیا کیسی تھی؟ بس اب تُجھ پر میرا بھروسا ختم ہُوا۔ میں ایک لمحے بھی تیرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اِس چڑیا کی آواز نے میرا دل دہلا دیا ہے۔“

یہ کہہ کر لڑکی نے مہتاب کا گریبان چھوڑا اور باہر جانے کو لپکی۔ مہتاب کو یقین تھا کہ عُمرو جادُوئی کمند میں جکڑا ہُوا پڑا ہے۔ اُسے شک گزرا کہ جادُو سے

توبہ کرنے کے سبب چڑیا میں کوئی نقص ہو گیا ہے۔ لڑکی عُمرو نہیں ہو سکتی۔
منت سماجت کر کے لڑکی کو پھر کمرے میں واپس لایا۔ لڑکی اندر تو آ گئی مگر
جُونہی اس نے دروازے کے اُوپر چپکی ہوئی دوسری چار کاغذی چڑیوں کو دیکھا
تو پھر غصّے ہو گئی۔ بولی۔ ''اگر تُو چاہتا ہے کہ میں یہاں ٹھہروں تو ابھی ابھی اِن
سب چڑیوں کو جلا کر راکھ کر دے۔ اِنہیں دیکھ کر میرا دل کانپتا ہے۔''
''اچھی بات ہے۔ ابھی لو۔'' مہتاب نے کہا اور کُچھ پڑھ کر تالی بجائی۔ چاروں
چڑیاں اپنی جگہ سے اُڑیں اور جل کر فرش پر گِر پڑیں۔ لڑکی کے چہرے پر
اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اور وہ بولی۔
''میں رات بھر کی جاگی اور تھکی ہوئی ہوں۔ کچھ دیر آرام کروں گی۔''
''بہتر ہے۔'' مہتاب نے کہا اور ایک خادم کو آواز دی۔ خادم حاضر ہو گیا تو اس
نے حکم دیا کہ ''ایک کمرے میں لڑکی کے لیے آرام دہ بستر بچھا دو۔''
لڑکی چلی گئی تو مہتاب کو اچانک وہم ہوا کہ کہیں واقعی لڑکی عُمرو نہ ہو۔ کُچھ دیر
اُس کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اُس نے فیصلہ کیا کہ گرفتار ہونے والے کو
دیکھ کر اچھی طرح تحقیق کر لی جائے۔ جب افراسیاب نے اُسے عُمرو کے

آنے کی اطلاع بھجوائی تھی تو اس کے ساتھ عُمرو کی ایک تصویر بھی بھجوادی تھی۔ یہ یاد آتے ہی مہتاب نے عُمرو کی تصویر نکالی اور پہرے داروں کو حکم دیا کہ قیدی کو پیش کریں۔ پہرے دار برق کو لے کر آئے تو مہتاب نے بڑے غور سے اُسے تصویر سے ملا کر دیکھا۔ دونوں کے ناک نقشے میں اُسے بال برابر بھی فرق محسوس نہ ہوا۔ اچھی طرح اطمینان کر کے اُس نے تصویر کو رکھ دیا اور پہرے داروں کو اشارہ کیا کہ قیدی کو لے جائیں لیکن ابھی وہ کمرے سے باہر نہ نکلنے پائے تھے کہ دوسرے دروازے سے لڑکی اندر داخل ہوئی۔ قیدی اور پہرے داروں کو دیکھتے ہی اُس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ یہ قیدی کون ہے؟“

مہتاب پہلے تو سٹپٹا گیا۔ پھر بات بناتے ہُوئے بولا۔ ”یہ عیّارِ زمان عُمرو ہے۔ میرے آدمیوں نے اِسے رات گرفتار کیا ہے۔ گانے میں اِس کا جواب نہیں۔ میں نے سوچا کہ اِس سے کہوں، اِس وقت کُچھ سُنائے مگر راضی نہیں ہوتا۔“

"بڑا مغرور ہے۔ قید ہو کر بھی دماغ ٹھیک نہیں ہوا۔" لڑکی نے کہا اور برق کو گھورنے لگی۔ برق نے اُس کی طرف غصّے سے دیکھا تو لڑکی نے اشارہ کیا۔ برق سمجھ گیا کہ یہ لڑکی نہیں اُستاد ہیں۔ اُس کا دِل تو خُوشی سے پھُول گیا مگر تیوریوں کے بل اُس نے ویسے ہی رکھے تاکہ کوئی شک نہ کر سکے۔"

"بڑا اخر دماغ معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی نے مہتاب سے کہا۔ "اچھا! اسے کھلوا دو اور کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ جو سختی سے ٹھیک نہیں ہوتے، وہ نرمی سے سیدھے ہو جاتے ہیں۔"

"نہیں۔" مہتاب بولا۔ "یہ بُہت بڑا فتنہ ہے۔ کھولا گیا تو قیامت ڈھا دے گا۔ شام کو خود ہی راہ راست پر آ گیا تو ٹھیک ورنہ اِسی حالت میں شہنشاہ افراسیاب کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔" یہ کہہ کر اُس نے پہرے داروں کو اشارہ کیا وہ قیدی کو ساتھ لے کر چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد لڑکی گلے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "ہائے! پیاس کے مارے میرا تو حلق سوکھا جا رہا ہے۔ ذرا پانی تو منگوائیے۔"

مہتاب نے تالی بجا کر خادم کو بُلایا اور اُسے شربت لانے کا حکم دیا۔ خادم شربت لے آیا تو لڑکی نے ایک پیالہ خُود پیا اور دُوسرے میں بے ہوش کا سفوف ڈال کر مہتاب سے بولی۔ "لیجیے آپ بھی پیجیے۔"

مہتاب نے پیالہ لڑکی کے ہاتھ سے لے کر ہونٹوں سے لگالِیا۔

افراسیاب کو عُمرو کی گرفتاری کی بڑی فِکر تھی۔ رات وہ مہتاب جادُو کو اُس سے ہوشیار کر چکا تھا۔ صُبح اُٹھنے کے بعد وہ اِس کی جانب سے کوئی خبر سُننے کا منتظر تھا۔ آخر جب دن چڑھنے لگا تو اُس سے صبر نہ ہو سکا۔ اُس نے کتابِ سامری اُٹھائی اور حال معلوم کرنے لگا۔ کتاب دیکھتے دیکھتے اچانک اُس کے چہرے پر فکر مندی جھلکنے لگی۔ اسے پتا چل گیا کہ برق فرنگی تو عُمرو کے روپ میں مہتاب کے پاس گرفتار ہے مگر خُود عُمرو ایک لڑکی کے رُوپ میں اُس کے پہلو میں موجود ہے اور کوئی دم میں اُس کا کام تمام کیا چاہتا ہے۔

اُس نے دستک دے کر ایک برق رفتار پُتلے کو طلب کیا اور حکم دیا کہ پلک جھپکتے میں مہتاب کے پاس پہنچ کر اُسے اصل حقیقت سے آگاہ کرے۔ پُتلے نے فرش پر پیر مارا، گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ زمین شق ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پُتلا اُس میں سما گیا۔

اُدھر مہتاب نے ایک ہی گھونٹ میں سارا پیالے حلق سے اُتارنے کے لیے منہ پھاڑا ہی تھا کہ اچانک گڑگڑاہٹ کی آواز ہوئی۔ کمرے کا فرش ہلتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ عُمرو سمجھ گیا کہ کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے۔ آناً فاناً اُس نے فیصلہ کیا۔ نئ مصیبت بعد میں دیکھی جائے گی۔ پہلے مہتاب کا فیصلہ کر دینا چاہیے۔ اُسی وقت کمرے گا فرش ایک جگہ سے شق ہُوا اور اُس میں سے افراسیاب کا بھیجا ہوا پُتلا اوپر آیا۔ مہتاب نے بھی کچھ گڑبڑ محسوس کر لی تھی لیکن قبل اِس کے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا۔ عُمرو نے پیالہ اُس کے حلق میں انڈیل دیا۔

اب پُتلا مہتاب کے سامنے پہنچ چکا تھا اور افراسیاب کی ہدایت کے مطابق اُسے صحیح مُعاملہ سے آگاہ کر رہا تھا۔ پُتلے کی بات سُن کر وہ تڑپ کر اُٹھا۔ شاید

اُس کا ارادہ کوئی جادُو کرنے یا پہرے داروں کو بُلانے کا تھا۔ اُسی لمحے عُمرو نے پھُرتی کے ساتھ زنبیل سے جالِ الیاسی نِکالا اور پُتلے کی طرف پھینک کر گھسیٹا۔ پُتلا اُس میں پھنس گیا۔ اُسے قابو میں کر کے وہ مہتاب کی طرف متوجہ ہوا۔ سفوفِ بے ہوشی اُس پر اثر کر چکا تھا اور وہ کٹی ہوئی ڈال کی طرح فرش پر گِر رہا تھا۔ عُمرو نے فوراً ہی زنبیل سے خنجر نکالا اور اُچھل کر مہتاب کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وہ بے حِس و حرکت فرش پر پڑا رہا۔ عُمرو نے دَم کے دَم میں اُس کا کام کر دیا۔

مہتاب کے مرتے ہی وہ کمند خُود بخود غائب ہو گئی جس میں برق فرنگی جکڑا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اُستاد اپنا کام کر گئے۔ آزاد ہوتے ہی اُس نے جھولی سے خنجر نِکالا۔ پہرے دار یہ دیکھ کہ چیخ پڑے مگر دوبارہ اُسے گرفتار کرنے کے لیے کوئی حرکت نہ کر پائے تھے کہ تاریکی چھا گئی۔ آندھی چلنے لگی اور ماحول چیخ پُکار کی آواز سے گونجنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد شور و غل اور اندھیرا غائب ہُوا تو دردناک آواز آئی۔ ”مجھے دھوکے سے قتل کیا۔ میرا نام مہتاب جادُو تھا۔“

پہرے دار جادُوگر حیران ہو ہی رہے تھے کہ برق فرنگی خنجر لہراتا اُن پر ٹوٹ پڑا۔ دَم کے دَم میں کئی جادُوگر فرش پر تڑپنے لگے اور دوسرے چیختے چِلّاتے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ مہتاب جادُو کے اچانک قتل ہو جانے سے اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے۔ جادُو منتر بھُول کر سب اپنی جان بچانے کی فکر کر رہے تھے۔ کافی دیر آندھیاں چلتی رہی۔ اندھیرا چھاتا رہا اور مرنے والے جادُو گروں کے ہمزاد اُن کے ہلاک ہونے کا اعلان کرتے رہے۔

آخری بار ایک جادُوگر کی موت کا نعرہ بلند ہُوا تو عُمرو بنگلے سے باہر نکل آیا۔ پُتلا جال میں پھنسا ہُوا اُس کے ہاتھ میں تھا۔ برق فرنگی اُسے دیکھتے ہی قدموں پر گِر گیا۔ عُمرو نے اُسے گلے سے لگا کر شاباش دی۔ پھر دونوں نے مل کر باغ کا کونا کونا چھان مارا۔ ایک بھی جادُوگر نظر نہ آیا۔ یہ حال دیکھ کر عُمرو اطمینان کے ساتھ باغ کے باہر جانے کے لیے بڑھا تو برق نے حیرت سے کہا۔

"استاد! یہ کیا بات ہے؟ کیا بنگلے کا مال صاف کیے بغیر ہی نکل جانے کا خیال ہے؟"

عُمرو برق کو دیکھ کر ہنسا اور بولا۔ ”اب وہاں کاٹھ کباڑ کے سوا بچا ہی کیا ہے۔ اِتنی دیر وہاں کیا میں جھک مار تا رہا ہوں۔“

”تو کیا آپ سارا مال سمیٹ لائے ہیں؟“ برق نے حیرت سے کہا۔

”اور نہیں تو کیا تیرے لیے چھوڑ دیتا؟“ عُمرو نے برق کے سر پہ چپت لگاتے ہوئے کہا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔ برق بھی پچھتاتا ہُوا پیچھے ہو لیا۔ بے چارے کو ایک دھیلے کا مال بھی لوٹنے کی مُہلت نہ ملی تھی اور اُستاد سے حصّہ ملنے کا سوال ہی نہ تھا۔

جنگل میں پہنچ کر برق نے سوال کیا۔ ”اُستاد! اب کدھر کا ارادہ ہے؟“

عُمرو نے رُک کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور بولا۔ ”بس بیٹا! اب یہاں سے اپنی راہ لو۔ البتّہ زیادہ دُور دُور نہ رہنا۔“

برق نے یہ سُن کر عُمرو کے ہاتھ چومے اور سلام کر کے ایک طرف کو چل دیا۔ عُمرو نے دُوسری طرف کی راہ لی۔ کچھ دور چل کر اُس نے جال کا بند کھولا اور گوپیے کی طرح گھُما کر پُتلے کو دُور پھینک دیا۔ زمین پر گرتے ہی پُتلے نے پیر پٹخ کر زمین کو شق کیا اور اندر ہی اندر افراسیاب کے دربار میں جا پُہنچا۔

افراسیاب کو اُس سے مہتاب جادُو کے ہلاک ہونے کی خبر ملی تو سخت جوش میں آیا۔ اہلِ دربار سے کہنے لگا۔

"تم سب نکمّے ہو۔ ایک معمولی عیّار میرے نامی گرامی وفاداروں کو ہلاک کرتا پھر رہا ہے اور تم یہاں بیٹھے باتیں بناتے رہتے ہو۔ جاؤ! گھروں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ رہو۔ اب میں خُود اُسے گرفتار کرنے جاتا ہوں۔ جب تک پکڑ نہ لاؤں گا، دربار نہ لگاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اُٹھا تو سارے درباری اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہوش مند وزیر اُس کے پیروں پر گر گیا اور عاجزی سے کہنے لگا "حضور! یہ بات آپ کے شایانِ شان نہیں۔ آپ کے لاکھوں جاں نثار غلام حاضر ہیں۔ ایک نہیں تو دُوسرا، دُوسرا نہیں تو تیسرا حضور کا حکم بجا لانے ہیں کام یاب ہو جائے گا۔ صبر سے کام لیجیے۔ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں کہ حضور اِس پر اتنی توجّہ فرمائیں۔"

وزیروں اور سرداروں کے سمجھانے بجھانے سے افراسیاب کا غصّہ ٹھنڈا ہوا۔ تخت پر بیٹھ کر اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور بولا۔ "کیا آزر جادُو موجُود ہے؟"

چاروں طرف سنّاٹا چھا گیا۔ یہ دیکھ کر افراسیاب نے گُل دستے سے ایک پھول نکالا۔ کچھ پڑھا اور پھُونک کر پھُول کو سامنے فرش پر پھینک دیا۔ تڑاخ کی آواز کے ساتھ فرش پھٹا اور نیچے اب ایک انتہائی بد صورت بُڈّھا جادُو گر نِکل کر اُوپر آیا۔ وہ آزر جادُو تھا۔ افراسیاب کے تخت کو بوسہ دینے کے بعد پیچھے ہٹ کر وہ ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

افراسیاب نے کہا: ”عُمرو نے میرے دل کو بُہت دُکھایا ہے۔ کیا تُو اُسے زندہ یا مُردہ گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرے گا؟“

”کیا وہ کوئی بہت بڑا جادُو گر ہے خداوندِ نعمت؟“ آزر نے ادب سے سوال کیا۔

”نہیں۔ وہ مکّار عیّار ہے۔ صرف بہروپ اور دھوکا اُس کا ہتھیار ہے۔“ افراسیاب نے جواب دیا۔

”بس عالی جاہ!“ آزر نے کہا۔ ”مجھے کوئی ایسی چیز عنایت فرمائیں کہ اُس کی مدد سے میں اُسے پہچان سکوں۔ اِس کے بعد وہ حضور کے قدموں میں ہو گا۔“

”ہوں!“ افراسیاب نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ”صندوقِ آتش لایا جائے۔“

تھوڑی ہی دیر میں کئی خادم ایک بڑا سا صندوق اُٹھا کر لائے اور افراسیاب کے سامنے فرش پر رکھ دیا۔ افراسیاب نے ایک پھُول پر کُچھ پڑھ کر صندُوق کے اُوپر پھینکا۔ گڑ گڑاہٹ کی آواز کے ساتھ صندُوق کا ڈھکنا کھُلا اور اُس میں سے بھڑکتے ہوئے شعلے نکلنے لگے۔ اہلِ دربار پر ہیبت چھا گئی۔

چند لمحے بعد اُونچے ہوتے ہوتے شُعلے آسمان تک جانے لگے تو افراسیاب تخت سے اُٹھا اور چلتا ہوا صندوق کے قریب جا پہنچا۔ ایک لمحہ اُس نے غور سے شعلوں کو دیکھا اور پھر اچانک صندُوق کے اندر چھلانگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خُود ایک لپکتا ہُوا شُعلہ بنا اور اُوپر جا کر غائب ہو گیا۔ درباریوں نے دم سادھ لیا۔ بہتوں کے دِلوں کی دھڑکن ماند پڑ گئی۔ جنھوں نے پہلی بار یہ منظر دیکھا تھا اُن کا خُون خُشک ہو گیا۔ چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ شُعلوں کی اُونچائی گھٹنے لگی۔ ہوتے ہوتے وہ اُسی سطح پر آ گئے جس پر ڈھکن کھُلنے کے بعد تھے۔ چند لمحے بعد افراسیاب اپنی اصلی حالت میں اُچھل کر صندوق سے باہر آ گیا۔ نئی بات یہ تھی کہ اُس کے ہاتھ

میں ایک ہار دِکھائی دے رہا تھا۔ درباریوں کے چہروں پر رونق آگئی۔ وہ سمجھ گئے کہ شہنشاہ یہی ہار لینے گیا تھا۔ ضرور اِس میں کوئی خاص صفت ہو گی۔

تخت پر واپس آکر افراسیاب نے گُل دستے سے ایک اور پھُول نکالا اور اُس پر کچھ پڑھ کر پھُونکھنے کے بعد صندُوق کی طرف اُچھال دیا۔ گڑگڑاہٹ کی آواز بُلند ہوئی۔ صندوق کا ڈھکن آہستہ آہستہ بند ہو گیا۔ خادم صندوقِ آتشیں کو اُٹھا کر لے گئے۔ افراسیاب نے ہار کو اِس طرح آزر کے سامنے کیا کہ سارے درباری بھی اُسے دیکھ سکتے تھے۔ ہار میں ایک چھوٹی سی تختی بندھی ہوئی تھی جس پر کسی عورت کی تصویر تھی۔

"اس ہار کی مدد سے تُم عُمرو کو پہچاننے میں کبھی دھوکا نہ کھاؤ گے۔" افراسیاب نے آزر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "جب کوئی شخص اپنی اصلی صورت میں تمہارے سامنے ہو گا تو اِس تختی پر یہی تصویر رہے گی جو ہے۔ لیکن اگر وہ کسی دوسرے بہروپ میں ہُوا تو اِس عورت کی جگہ تختی پر اُس کی اصلی شکل نظر آنے لگے گی۔ یاد رکھنا! عیّار ہمیشہ کسی دوسرے بہروپ ہی میں دھوکا دیا کرتا ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے ہار آزر جادُو کی طرف بڑھا دیا۔

سارے درباری ہار کی یہ خاصیت معلوم کر کے ہکّا بکّا رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ایسی کوئی چیز بنائی جا سکتی ہے۔ ایک بار اور افراسیاب کے جادُو کی طاقت کا سکّہ اُن کے دِلوں پر بیٹھ گیا۔

آزر جادُو نے بڑھ کر افراسیاب کے ہاتھ سے ہار لے لیا اور اُس کے تخت کو بوسہ دیتے ہوئے ادب سے بولا۔ "عالم پناہ! اب مُجھے کسی بات کی پروا نہیں۔ حضور کی اِس عنایت کے بعد میرا اعتماد پہلے سے سو گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ میں جلد از جلد عُمرو کے سامنے پیش کروں گا۔ اجازت دیجیے۔ ابھی اسی وقت روانہ ہوا ہوں۔"

"جاؤ!" افراسیاب نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "وہ نخلستانِ رخشاں کے جنگل میں کہیں مل جائے گا۔"

اجازت پاتے ہی آزر جادُو دربار سے رُخصت ہُوا اور اُڑتا ہوا اس جنگل میں جا پہنچا جہاں کا پتا افراسیاب نے بتایا تھا۔ یہاں عُمرو ایک مقام پر چھُپا ہوا آرام کر رہا تھا۔ آزر اُسے تمام جھاڑیوں، غاروں اور درختوں میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اچانک دِل میں کھٹکا محسوس کر کے عُمرو اُٹھ بیٹھا اور سامنے کی جھاڑیاں آہستہ

سے ہٹا کر اِرد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ جلد ہی اُس نے آزر کو دیکھ لیا۔ اُس کا ماتھا ٹھنک گیا۔ دِل میں کہنے لگا۔

"طِلسم ہوش رُبا میں آکر میں نے خواہ مخواہ کی مصیبت مول لی ہے۔ ایک پل کا چین نصیب نہیں۔ ہر وقت اور ہر جگہ پکڑے جانے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر جادُوگر یہاں موجود ہے۔ آخر کِتنوں کو ماروں گا! کِتنوں سے بچوں گا۔ اِتنا بڑا طِلسم بغیر لوحِ طِلسم کے ہاتھ آئے کیسے فتح کیا جا سکتا ہے۔ پتا نہیں اسد غریب پر کیا گزری۔ شہزادہ بدیع الزّمان پہلے ہی یہاں گُم ہو چکا ہے۔ میرا بھی یہی حشر ہو گا۔ پردیس اور گُمنامی کا عیش اور غم سب برابر ہوتا ہے۔ یہاں نہ کارناموں کی داد ہے، نہ ناکامیوں کی شرم۔ مارا گیا تو گِدھوں اور کُتّوں کی خوراک بنوں گا۔ بچ نِکلا تو جنگلوں اور بیابانوں میں خاک پھانکتا رہوں گا۔ کاش میں یہاں نہ آتا۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ طِلسم ہوش رُبا اتنا بڑا ملک ہے۔ اتنے جادُوگر یہاں رہتے ہیں۔"

کچھ دیر اِسی طرح کی باتیں سوچنے کے بعد عُمرو نے ایک بار پھر جھانک کر دیکھا۔ ہولناک شکل کا جادُوگر سامنے کی ایک گنجان جھاڑی کی تلاشی لے رہا

تھا۔ اُس کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر عُمرو کا خُون گرم ہو گیا۔ اُسے اِس بات کا بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ تنہا ہی ہے۔

عُمرو نے فیصلہ کیا۔ اِسے قتل ہی کر دینا چاہیے۔ جادُو گر جتنے کم ہوں اچھّا ہے۔ ویسے بھی اگر میں نے اِسے ہلاک نہ کیا تو وہ مُجھے نہ چھوڑے گا۔

یہ خیال آتے ہی عُمرو نے جلدی جلدی اپنا حُلیہ تبدیل کیا۔ ایک خطرناک جادُوگر کا رُوپ دھارا۔ ناک کان میں فاسفورس کا ایسا روغن لگایا کہ ہوا لگنے پر اُن سے شعلے نکلتے دکھائی دیتے۔ پھر چھُپتے چھپاتے کُچھ دور پیچھے کی طرف نِکل گیا اور وہاں سے کھانستے کھنکارتے آزر جادُو کی طرف بڑھنے لگا۔

آزر نے اُس کی آہٹ سُنی تو چوکنّا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آنے والے کی صحیح سمت کا اندازہ لگاتے ہی وہ ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو گیا۔ اور چھپ کر دیکھنے لگا۔ اُسے شک تھا کہ آنے والا عُمرو ہو اور مجھے دیکھ کر بھاگ نہ جائے۔ لیکن جب اُس نے عُمرو کے بجائے ایک ایسے جادُوگر کو آتے دیکھا جس کے ناک اور کانوں سے شُعلے نِکل رہے تھے تو اُس کا شک دور ہو گیا۔ وہ اوٹ سے باہر نِکل کر کھڑا ہو گیا اور اُس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

"سامری کی جے! جمشید کی جے!" عُمرو نے آزر کے
قریب پہنچتے ہی نعرہ لگایا۔

آزر نے اُس کا ویسے ہی لفظوں میں جواب دیا اور پوچھا۔ "بھائی کِدھر سے آ رہے ہو؟ کیا راستے میں تمھیں کوئی مشکُوک آدمی بھی ملا ہے؟"

"میرا نام آفت جادُو ہے۔" عُمرو نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ "وادئ الماس سے آ رہا ہوں۔ قلعۂ یاقوت جانے کا ارادہ ہے۔ وہاں جادُوگری کا مقابلہ ہو رہا ہے۔"

پھر اُس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔ "یہ مشکوک آدمی سے تُمھاری کیا مراد ہے؟ تم کِسے ڈھونڈ رہے ہو؟"

"بھائی! کیا بتاؤں۔" آزر نے کہا۔ "ایک مکّار عُمرو نامی امیر حمزہ کا عیّار ہے۔ امیر حمزہ خُود تو طلِسم ہوش رُبا کے سرحدی مُلک کوہِ عقیق میں سلیمان عنبریں سے جنگ آزما ہے مگر اپنے ایک نواسے اور پانچ خطرناک عیّاروں کو طلِسم ہوش رُبا میں گڑبڑ کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ اُس کا ایک بیٹا تو پہلے ہی یہاں قید ہے۔ نواسہ مارا مارا پھِر رہا ہے۔ عیّاروں نے البتہ شہنشاہ افراسیاب کو

پریشان کر رکھا ہے۔ اِن سب کا اُستاد عُمرو ہے۔ میں اُسی کی تلاش میں ہُوں۔"

"کیا تم مہتاب جادُو کے ملازم ہو؟ تُمھیں اُس نے اِس کام پر مقرر کیا ہے؟" عُمرو نے سوال کیا۔

"نہیں۔ مجھے شہنشاہ افراسیاب نے بھیجا ہے۔ آزر نے بتایا۔ "مہتاب جادُو کو تو عُمرو قتل کر چکا ہے۔"

"ہائیں! کیا کہا؟ مہتاب جادُو قتل ہو گیا؟" عُمرو نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بھائی! یہ کل رات کی بات ہے۔" آزر نے کہا۔

"ہائے غضب ہو گیا۔" عُمرو نے کہا۔ وہ میرا ماموں زاد بھائی تھا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ واپسی میں کُچھ دِن اُس کے پاس ٹھہروں گا۔ بس اب میں قلعۂ یاقوت نہیں جاؤں گا۔ جب تک اُس کے قاتل سے انتقام نہ لُوں گا دانہ پانی حرام سمجھوں گا۔ اچھّا ہوا تُم مِل گئے۔ دونوں مِل کے اُسے ڈھونڈتے ہیں۔ مِل گیا تو کچّا ہی چبا جاؤں گا۔"

آزر جادُو اُس کا جوش دیکھ کر اُسے ساتھی بنانے پر راضی ہو گیا۔ اُس نے سوچا ایک سے دو بہتر رہیں گے۔ دونوں مل کر عُمرو کو ڈھونڈنے لگے آزر کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد عُمرو موقع کی تاک میں لگا رہا۔ وہ ایسا موقع چاہتا تھا کہ چند لمحوں کے لیے آزر اتنا غافل ہو کہ وہ زنبیل سے خنجر نِکال کر اُس پر بھرپور واہ کر سکے۔ یا سفوف بے ہوشی سُنگھا سکے لیکن آزر اِتنا چالاک تھا کہ مُہلت ہی نہ دیتا تھا۔ دوسری طرف دیکھتے ہوئے بھی اُس کی ہر حرکت پر نظر رکھتا تھا۔ اور اُس سے چوکنّا رہتا تھا۔ کئی بار عُمرو نے مُختلف بہانوں سے خُود کو اس کے پیچھے رکھنے کی جو کوششیں کی تھیں شاید اُس سے اُسے کچھ شبہ بھی ہو گیا تھا۔

اچانک ایک موڑ مُڑتے ہوئے عُمرو نے اپنا دامن کانٹوں کے ایک جھاڑ سے اٹکا دیا اور پھِر رُک کر دامن چھُڑانے لگا۔ اِس ترکیب سے اُسے آزر سے کئی قدم پیچھے رہنے کا موقع مل سکتا تھا۔ ہُوا بھی ایسا ہی۔ آزر بڑھتا چلا گیا۔ عُمرو نے دامن چھُڑا کر فوراً زنبیل میں ہاتھ ڈال دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے آزر پلٹ کر اُس کے سامنے آ گیا۔ عُمرو زنبیل سے ہاتھ نکال کر اِس طرح اپنی بغل کھُجانے لگا جیسے اُس نے زنبیل میں ہاتھ ڈالا ہی نہ ہو۔ آزر کو یہ بات کھٹک گئی

لیکن عُمرو پر اُس نے ظاہر کچھ نہ کیا۔ پر دِل میں ہوشیار ہو گیا۔ ایک جگہ عُمرو کی نِگاہ بچا کر اُس نے طِلسمی ہار کی تصویر پر نظر کی تو عورت کی تصویر غائب تھی۔ اُس کی جگہ عُمرو کی اصل شبیہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ آفت جادُو کے بھیس میں عُمرو اُس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ عُمرو نے اُس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو غور سے دیکھا تو وہ بھی بھانپ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ بات بگڑتی دیکھ کر وہ غائب ہونے کی سوچنے لگا۔ عیّاری کی چادر نکالنے کے خیال سے اُس نے اپنا ہاتھ زنبیل کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ آزر نے جادُو پڑھ کر اس کی طرف پھونک ماری۔ عُمرو کے جسم سے حرکت کرنے کی طاقت جاتی رہی۔ وہ جوں کا تُوں کھڑا رہ گیا۔ آزر نے اُس کے ہاتھ پیٹھ کی طرف موڑ کر کلائیوں کو زنجیر سے جکڑ دیا۔ عُمرو اپنی اِس شکست پر سخت نادم تھا۔ دل ہی دل میں وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ آزر کے سامنے آنے کی بجائے چھُپ کر دُور سے وار کیوں نہ کیا۔

"اے آزر! یہ کیا مذاق ہے؟" عُمرو بولا۔ "جلد میرے ہاتھ کھول دے۔ نہیں تو تجھے پچھتانا پڑے گا۔ کیا دوستی کا حق اسی طرح ادا کیا جاتا ہے؟ یاد رکھ اِس

مُلک میں میرے بہُت سے عزیز رہتے ہیں۔ اگر تو مجھے ہلاک یا گرفتار کرنے کی نیّت رکھتا ہے تو ہرگز یہاں سے زندہ بچ کر نہ جاسکے گا۔"

"او مکار! مجھے مت ڈرا۔ میں تجھے پہچان چکا ہوں۔ تو عمرو ہے۔ میں تجھے لے کر شہنشاہ افراسیاب کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اب تجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تیرے دِن پورے ہو چکے ہیں۔"

یہ کہہ کر آزر نے زنجیر کو جھٹکا دیا اور عُمرو کو گھسیٹتا ہُوا لے چلا۔ عُمرو اُسے طرح طرح کے چکمے اور دھمکیاں دیتا رہا۔ شور اور واویلا مچاتا رہا۔ مگر آزر نے کِسی بات پر کان نہ دھرا۔ آخر تھک ہار کر عُمرو خاموش ہو گیا۔ رہائی پانے کی اُس کے دِل میں اب بس ایک ہی اُمّید رہ گئی تھی اور وہ یہ کہ اُس کا کوئی شاگرد اُسے اِس حالت میں دیکھ لے اور اُسے چھڑانے کی کوشش کرے۔ برق فرنگی کے بارے میں اُسے یقین تھا کہ وہ اِس جنگل میں آس پاس ضُرور کہیں ہو گا۔ اِس کے علاوہ اُسے توقع تھی کہ اگر اُس کے دوسرے شاگرد بھی نخلستانِ رخشاں یا اُس کے آس پاس پہنچ چکے ہوں گے تو اُنھوں نے وہ بان ضُرور دیکھے ہوں گے جو اُس نے اور برق فرنگی نے گزشتہ رات آسمان کی

طرف اُڑائے تھے اور اُنہیں دیکھ کر وہ بھی اِس جنگل میں پہنچ گئے ہوں گے یا پہنچنے والے ہوں گے۔ اِسی اُمّید پر آزر کے پیچھے گھسٹتے ہوئے اُس نے اپنے چہرے سے رنگ وروغن صاف کیا اور اصلی شکل میں آگیا۔ اِس لیے کہ ایک تو اب بھیس میں رہنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ دوسرے اِس طرح اُس کا کوئی شاگرد اُسے دُور سے دیکھ کر پہچان سکتا تھا۔

عُمرو کی یہ ترکیب کام آگئی۔ اُس کا شاگرد ضرغام شیر دِل اُس کی تلاش میں سامنے سے چلا آتا تھا کہ ایک بلندی سے اُس نے دیکھ لیا کہ اُستاد بندھے چلے آرہے ہیں۔ اپنے پیچھے تھوڑے فاصلے پر وہ ایک چرواہے کو گائیوں کا ریوڑ چراتے دیکھ آیا تھا۔ وہ فوراً پلٹا، دھوکے سے چرواہے کو بے ہوش کر کے اُسے جھاڑی کے اندر چھُپا دیا اور خُود اُس کا بہروپ بھر کر گائیں چرانے لگا۔ آزر جادُو کو عُمرو کے ساتھ اِسی راستے سے ہو کر گزرنا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں اُس کے سامنے تھے۔ اُس وقت آزر کا حلق پیاس سے خشک ہو رہا تھا۔ چرواہے کو دیکھ کر اُسے خیال گزرا کہ پانی اُس کے پاس ضرور ہو گا۔ قریب

پہنچ کر اُس نے پانی مانگا۔ ضرغام خُوش ہُوا کہ چلو شکار خُود پھندے میں آ رہا ہے۔ خالی مشکیزہ اُسے دِکھاتے ہوئے بولا۔

"پانی تو میں نے ابھی پی کر ختم کر دیا ہے۔ کہو تو تمہارے لیے دودھ دوہ دُوں؟ لُٹیا ہے؟"

"مہربانی! آزر نے جھولی سے لُٹیا نکال کر اُس کے حوالے کر دیا۔ ایک قریب کھڑی ہوئی گائے کی طرف بڑھتے ہوئے ضرغام نے صفائی کے ساتھ سفوف بے ہوشی کی ایک پُڑیا لُٹیا میں ڈال دی اور آزر کی نگاہوں کے سامنے بیٹھ کر دودھ دوہنے لگا۔ لُٹیا بھر گئی تو وُہ اُٹھا اور آ کر اُسے آزر کے سامنے بڑھا دیا۔ آزر لُٹیا کو مُنہ سے لگانا ہی چاہتا تھا کہ دِل میں خیال گزرا، شہنشاہ افراسیاب نے ہدایت کی تھی کہ جو آدمی کہیں ملے اُس پر اعتماد کرنے سے پہلے طِلسمی ہار کی تصویر دیکھ لیا کرنا۔ سو کیوں نہ اِس چرواہے کے بارے میں اطمینان کر لُوں؟ یہ خیال آتے ہی اُس نے تصویر پر نظر تھی۔ اُس کا وہم یقین میں بدل گیا۔ عورت کی تصویر غائب تھی۔ اُس کی جگہ ضرغام شیر دِل کی اصلی صُورت

تختی پر بنی ہوئی تھی۔ آناً فاناً اُس نے منتر پڑھ کر ضرغام کو بے بس کیا اور اُس کے ہاتھ بھی زنجیر سے باندھ دیے۔

ضرغام چلّایا۔ ”اے شخص! یہ کیا کرتا ہے؟ کیا نیکی کا یہی بدلہ ہے؟“

”بکواس بند کر۔“ آزر نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔ تُو بھی عُمرو کا کوئی ساتھی ہے۔ تجھے بھی شہنشاہ افراسیاب کے سامنے پیش کروں گا۔“

ضرغام ہنگامہ کرنے لگا تو عُمرو نے کہا۔ ”بیٹا صبر کرو۔ دِل نہ توڑو۔ کوئی نہ کوئی ساتھی ہمیں ضرور رہائی دلائے گا۔“

عُمرو کے سمجھانے بجھانے سے ضرغام خاموش ہو گیا۔ اُس نے بھی رنگ و روغن ہٹا کر اپنی اصلی صورت اختیار کر لی۔

دُور ایک درخت پر برق فرنگی چڑھا ہوا اِرد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک جو ایک سمت اُس کی نگاہ ٹھہری تو معلوم ہوا کوئی جادُوگر دو آدمیوں کو زنجیر میں باندھے لیے چلا آ رہا ہے۔ دیکھتے ہی جان گیا کہ یہ اُستاد اور ضرغام ہیں۔ جلدی جلدی درخت سے اُترا۔ اپنی صُورت ایک گوالن کی بنائی۔ مٹکا دودھ کا سر پر

رکھا اور اٹھلاتا ہوا اُدھر کو چل دیا جِدھر سے وہ لوگ آتے دکھائی دیتے تھے۔

آزر جادُو اپنی کامیابیوں پر اینڈتا اور قیدیوں کو گھسیٹتا بڑھتا چلا آرہا تھا۔ ایک مُوڑ طے کر کے اُس نے سامنے نگاہ کی تو ایک گوالن سر پر دودھ کا مٹکا رکھے آتی دکھائی دی۔ آزر کو پیاس لگ رہی تھی۔ وہ اُس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور بولا: "تُو کون ہے اور کہاں جاتی ہے؟"

گوالن بولی۔ "گوالن ہُوں۔ پاس کے گاؤں میں دودھ بیچنے جاتی ہوں۔ کیا تو بھی چلے گا؟"

"بڑی تیز ہے۔" آزر بولا۔ "چل، ایک ڈونگا دودھ دے دے۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔"

"میں راہ گیروں کے ہاتھ دودھ نہیں بیچتی۔" گوالن پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "راستہ چھوڑ۔ دیر ہوتی ہے۔ تجھے ایسی ہی پیاس ہے تو راستے میں میرا گاؤں مِلے گا۔ وہاں جا کر جِتنا چاہے پی لینا۔ زیادہ دور نہیں ہے۔"

”نہیں۔ میں تجھی سے لُوں گا۔“ آزر ضِد کرتا ہوا بولا۔ ”قیمت کی پروانہ کرنا جو مانگے گی اُس کا دس گنا ملے گا۔ انکار کرے گی تو ایک قدم یہاں سے آگے نہ بڑھنے دوں گا۔“

مجبور ہو کر گوالن نے سر سے مٹکا اُتارا مگر پیٹھ آذر کی طرف کیے رکھی۔ پھر پھُرتی سے ڈونگے میں سفوف بے ہوشی ڈالا اور اُسے دودھ سے بھر کر آزر کی طرف بڑھا دیا۔ آزر نے ڈونگا ہاتھ میں لے کر مُنہ کی طرف بڑھایا۔ اُسی لمحے اُسے افراسیاب کی ہدایت یاد آگئی۔ فوراً ہی گوالن کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر اُس نے ہار کی تصویر کو دیکھا۔ اِس میں برق فرنگی کا اصلی چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے منتر پڑھ کر گوالن پر پھُونکا۔ اُس کے ہاتھ پیروں کی طاقت جاتی رہی۔ دُوسرے ہی لمحے آزر نے اُس کے ہاتھ زنجیر سے باندھ دیے۔ گوالن چیخنے لگی۔

”اے منحوس! کیوں تیری شامت آگئی ہے۔ یاد رکھ آگے کے گاؤں میں میرا قبیلہ رہتا ہے۔ اِرد گرد کی ساری بستیوں کے لوگ مجھے جانتے ہیں۔ اگر

کسی نے دیکھ لیا تو تیری بوٹی بوٹی کر ڈالیں گے، خیریت چاہتا ہے تو فوراً مجھے چھوڑ دے، نہیں تو پچھتانے سے بھی کُچھ نہ بنے گا۔"

"مجھے چکّر نہ دے۔ آزر لاپروائی سے بولا۔ "جتنا چاہے چیخ چلّا۔ میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔ تو عورت نہیں مرد ہے۔ عُمرو کا ساتھی ہے اور عیّار ہے، تجھے بھی تیرے ساتھیوں کے ساتھ شہنشاہ افراسیاب کے سامنے پیش کروں گا۔

یہ کہہ کر آزر نے زنجیر کو جھٹکا دِیا اور تینوں قیدیوں کو گھسیٹتا ہوا لے چلا۔

گوالن زور زور سے رونے اور اپنے عزیزوں کے نام لے کر مدد کے لیے پُکارنے لگی۔ آزر پر اِس کا کوئی اثر نہ ہوا تو عُمرو نے گوالن سے کہا۔

"بیٹا! خواہ مخواہ پریشان نہ ہو۔ اِس مردُود پر کوئی حیلہ کارگر نہ ہو گا۔ اپنی اصلی صورت پر آ جا۔ خُدا پر بھروسا رکھ۔ بس وہی غیب سے رہائی کا کوئی سامان کرے گا تو چھوڑیں گے۔ ورنہ جو مُقدّر میں ہُوا جھیلیں گے۔"

برقی فرنگی اُستاد کی یہ بات سُن کر خاموش ہو گیا۔ چہرے کے رنگ و روغن مٹا کر اپنی اصلی صُورت پر آیا اور سب کے ساتھ چلنے لگا۔

یہ قافلہ جنگل کا تقریباً آدھا حصّہ طے کر چکا تھا۔ کہ جاں سوز بن مہترِ قِران نے اُسے دیکھ لیا۔ عُمرو اور برق فرنگی نے جو بان آسمان پر چھوڑے تھے اُنہیں دیکھ کر نخلستانِ رخشاں کے جنوبی حصّے سے وہ آج ہی اِس جنگل میں پُہنچا تھا۔ اُسے اُمّید تھی کہ یہاں وہ کم سے کم اپنے دو ساتھیوں کو ڈھونڈ نکالے گا۔ بے شک وہ اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُستاد سمیت تین ساتھی اُس کی نِگاہوں کے سامنے تھے مگر اِس حالت میں کہ ایک اِنتہائی بد صُورت جادُوگر ان کو زنجیر میں باندھے لِیے چلا جا رہا تھا۔

جاں سوز موقع کے اِنتظار میں اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ کافی دُور چلنے کے بعد آزر کو ایک باغ دِکھائی دیا۔ پیاس بُجھانے اور دم لینے کے خیال سے وہ اِس میں داخل ہو گیا جاں سوز پہلے اِس باغ میں آ چکا تھا۔ اُسے معلُوم تھا کہ باغ میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اُس نے مالی کا رُوپ بھرا، ہاتھ میں کھُرپی لی، چند پودے اُکھاڑے اور گھوم کر دوسرے دروازے سے خود بھی باغ میں جا پہنچا۔ آزر اور قیدی باغ کے حوض سے پانی پی کر ایک درخت کی چھاؤں میں کمر سیدھی کر رہے تھے۔

مالی کو باغ میں دیکھ کر آزر نے اُسے قریب بُلایا اور پوچھنے لگا۔ ”تو کون ہے؟ یہ باغ کِس کا ہے؟“

جاں سوز نے ادب سے جواب دیا۔ ”میں اِس باغ کا محافظ ہوں۔ یہ باغ ملکہ بنفشہ جادُو کا ہے۔“

جاں سوز نے ملکہ بنفشہ کا نام ویسے ہی لے لیا تھا۔ لیکن آزر نے اُس پر کوئی شک نہ کیا اِس لیے کہ اِس مُلک میں چپّے چپّے پر لاتعداد بادشاہوں اور ملکاؤں کے باغ تھے اور کوئی بھی سب کے نام یاد نہ رکھ سکتا تھا۔

”مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ پھل توڑ کر لے آؤ۔“ آزر نے اُسے حکم دیا اور وہ سر جھُکا کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جاں سوز تازہ پھلوں کی ایک ٹوکری لیے حاضر ہوا اور اُسے آزر کے سامنے رکھتے ہُوئے بولا۔ ”حضور! اگر آرام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو بنگلا کھول دُوں؟"

”نہیں۔ میرا سفر لمبا ہے۔ بس پھل کھا کر روانہ ہو جاؤں گا۔“ آزر نے جواب دیا اور ایک سیب کھانے کے ارادے سے اُٹھایا۔ مُنہ کھول کر وہ سیب کو کاٹنا

ہی چاہتا تھا کہ اُسے شہنشاہ افراسیاب کی ہدایت یاد آگئی کہ جنگل میں جو بھی ملے اُس پر بھروسا کرنے سے پہلے طلِسمی ہار پر نظر ڈال لی جائے۔

اُس نے فوراً ہار کی تختی کو دیکھا۔ اُس میں جاں سوز بن قِران کی اصلی صُورت بنی ہوئی تھی۔ آزر سمجھ گیا کہ مالی کے روپ میں یہ کوئی عیّار اور قیدیوں کا یار ہے۔ جان سوز بھی خطرے کو بھانپ گیا۔ لیکن بھاگ نکلنے کے لیے اُس نے ایک ہی چھلانگ لگائی تھی کہ آزر نے منتر پڑھ کر اُسے بے بس کر دیا۔ پھر اُس کے ہاتھ زنجیر سے باندھ دیے۔ جاں سوز بولا۔

"اے ساحر! کیا میری خِدمت کا یہی صِلہ ہے؟ یاد رکھ! میری ملکہ شہنشاہ کے دربار میں بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ جان اور آبرو کی خیر چاہتا ہے تو فوراً مجھے چھوڑ دے ورنہ ملکہ کے غضب سے نہ بچ سکے گا۔"

"او مکّار! میں تیری حقیقت جان چکا ہوں۔ مجھے مت ڈرا۔ اپنی خیر منا۔" آزر نے جواب دیا۔ "تو بھی عیّار ہے۔ تیرے ساتھیوں سمیت میں تجھے بھی شہنشاہ افراسیاب کی خدمت میں لے جاؤں گا۔" یہ کہہ کر آزر نے زنجیر کو جھٹکا دیا اور چاروں عیّاروں کو کھینچتا ہوا لے چلا۔

جاں سوز کی گرفتاری کے بعد عُمرو کا دِل اُداس ہو گیا۔ اب مہتر قِران باقی بچا تھا۔ اوّل تو اِس بات کا یقین نہ کیا جا سکتا تھا کہ دوسروں کی طرح وہ بھی اس جنگل میں ہو گا۔ اُنہیں دیکھ لے گا اور چھڑانے کی کوشش کرے گا۔ دُوسرے اِس بات کی کوئی اُمّید نہ تھی کہ اگر وہ اُنہیں چھڑانے کی کوشش کرے گا تو کامیاب بھی ہو سکے گا۔ جس آسانی سے آزر نے ہنستے کھیلتے عُمرو کو شکست دی تھی، اُس کے تین نامور شاگردوں کو گرفتار کر لیا تھا، اُس کو دیکھتے ہوئے مہتر قِران سے اُمّید ایسی ہی تھی جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

دوسری طرف آزر جادُو یہ دُعا مانگ رہا تھا کہ کاش پانچواں عیّار بھی اُسے مل جائے۔ اُس نے یہ طے کر لیا کہ اب جو بھی نظر آئے گا اُس سے کوئی بات کرنے سے پہلے وہ ہار دیکھے گا اور اگر عیّار سامنے آیا تو قریب ہونے سے پہلے ہی وہ اُسے بے بس کر دے گا۔ اُس کی خُوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بلاشُبہ جو عیّار کِسی کے قابو میں نہ آتے تھے اور جنھوں نے شہنشاہ افراسیاب کو پریشان کر دیا تھا انہیں اُس نے آسانی سے گرفتار کر لیا تھا۔ یقیناً یہ اُس کا ایسا کارنامہ تھا جس پر وہ جتنا بھی ناز کرتا کم تھا۔

خوزمان دیو

آزر چاروں عیّاروں کو کھینچتا اور پانچویں کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتا ہوا چلتا رہا۔ حتیٰ کہ جنگل کا آخری حصہ آ گیا۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ پانچواں عیّار اس جنگل میں نہیں ہے۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "پانچویں کو بعد میں دیکھا جائے گا۔ اب مجھے چاہیے کہ پیدل چلنے میں زیادہ وقت نہ خراب کروں۔ کسی جگہ ٹھہر کر شہنشاہ افراسیاب کو اطلاع دوں اور درخواست کروں کہ مدد کے لیے کچھ جادُوگر بھیجے تاکہ قیدیوں کو اُڑا کر لے جایا جائے۔"

اِتّفاق دیکھیے، عین اُس وقت جب کہ آزر جادُو پانچویں عیّار سے مایوس ہو چکا تھا۔ پانچواں عیّار مہتر قران قریب ہی گھاس میں چھُپا ہوا اُسے اور اُس کے

قیدیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ عُمرو اور برق فرنگی کے اُڑائے ہوئے بان رات اُس نے بھی دیکھ لیے تھے۔ اُس وقت وہ نخلستان کے مغرب میں تھا اور وہاں سے وہ فوراً ہی روانہ ہو گیا تھا لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے جنگل کے اِس حصّے میں وہ اب جا کر پہنچا تھا۔ گھاس کے قریب پُہنچنے پر اُس نے آزر کے قافلے کی آہٹ سُن لی تھی اور وہ اِحتیاط کے خیال سے گھاس ہیں جا چھُپا تھا۔

وہ آزر کی گھناؤنی شکل اور لباس دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ کوئی خطرناک جادُوگر ہے۔ عُمرو اور اپنے تینوں ساتھیوں کو اُس نے پہلی ہی نظر میں شناخت کر لیا تھا۔ یہ بات اُسے خاصی اہم محسوس ہوئی کہ شکلیں تو اُس کے ساتھیوں کی اصلی ہیں مگر لباس اُن سب کے مختلف ہیں۔ عُمرو جادُوگر کے لباس میں تھا۔ ضرغام شیر دل چرواہا لگ رہا تھا۔ برق فرنگی گوالنوں سے زنانے کپڑے پہنے تھا اور جاں سوز مالی دکھائی دیتا تھا۔ یہ چیز اِس بات کا ثبوت دے رہی تھیں کہ جادُوگر نے اِن سب کے ایک ایک کر کے الگ الگ مقامات پر گرفتار کیا ہے۔

مہتر قِران نے یہ رائے تو قائم کر لی کہ اِن سارے نامور عیّاروں نے بھیس بدل کر اِس جادُوگر پر قابو پانے کی کوششیں کی ہوں گی۔ مگر یہ بات اُس کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ اِن میں سے کوئی کامیاب کیوں نہیں ہوا؟ ایک ایک کر کے سب گرفتار کِس طرح ہو گئے؟ سوچتے سوچتے اچانک اُس کے دل نے گواہی دی کہ یہ جادُوگر ضرور کوئی ایسی طاقت رکھتا ہے کہ عیّار اُسے دھوکا نہیں دے سکتے۔ سامنے آتے ہی یہ عیّاروں کو پہچان لیتا ہے اور قبل اِس کے کہ وہ وار کریں یہ اُنہیں گرفتار کر لیتا ہے۔ ضرور ایسی ہی کوئی بات ہے ورنہ کم از کم اُستاد تو اُس کے قابو میں نہ آتے۔

یہ اندیشہ مہتر قِران کے دل پر ایسا جما کہ اُس نے بھیس بدل کر جادُوگر کے سامنے آنے اور اِس طرح اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کا خیال چھوڑ دیا۔ تیر کمان اُس کے پاس موجود نہ تھے۔ خنجر پھینک کر وار کرنے میں ساتھیوں کے زخمی ہونے یا جادُوگر کے ہوشیار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ موزوں بات صرف یہ تھی کہ کِسی ترکیب سے جادُوگر کو بے ہوش کیا جائے۔

آزر قیدیوں سمیت مہترِقران کے قریب سے ہو کر گُزر گیا۔ جب مہترِقران کو اطمینان ہو گیا کہ وہ اُسے مُڑ کر نہ دیکھ سکے گا تو وہ گھاس سے باہر نِکلا اور احتیاط کے ساتھ اُس کا پیچھا کرنے لگا۔ کچھ دور آگے جا کر راستہ ایک تنگ درّے میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ درّہ خاصا طویل اور کہیں کہیں پیچ دار تھا۔ اِس کے بعد جنگلات کا سلسلہ کم ہوتے ہوتے ایک کھلے میدان سے جامِلتا تھا۔ اپنی کِسی کارروائی کو عمل میں لانے کے لیے مہترِقران کو درّے سے بہتر مقام نہ مِل سکتا تھا۔ اور اگر یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہتا تو پھر میدان میں آزر کی نگاہوں سے بچ کر اُس پر وار کرنا اُس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اِسی خیال سے وہ جلد سے جلد درّے تک جانا چاہتا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ اُسے آزر کے آگے چلنا پڑتا اور آزر کے آگے جانا صرف اِسی صورت میں ممکن تھا کہ وہ کچھ دیر ٹھہر جائے۔

درّہ قریب آتا جارہا تھا اور آزر رُکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ تنگ آکر مہترِقران نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ آزر قیدیوں کے ساتھ ایک ٹیلا عبور کرنے لگا تو مہترِقران نے ٹیلے کی تلہٹی کا خطرناک چکر کاٹ کر اُس سے آگے نکل جانے

کی کوشش کی۔ تلہٹی میں جگہ جگہ کھائیاں تھیں۔ انہیں پار کرنے میں اُسے اتنا وقت لگ گیا کہ آزر دوسری جانب اِس سے پہلے پہنچ گیا۔ زنجیر ہاتھ میں لیے وہ آہستہ آہستہ ٹیلے کی ڈھلان سے اُتر رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک قطار میں قیدی اُتر رہے تھے۔ زنجیر بُہت لمبی تھی اور ہر قیدی کے درمیان دو دو قدم کا فاصلہ ہونے کی وجہ سے اُن کی قطار بھی خاصی لمبی دکھائی دیتی تھی۔ فوراً ہی مہترِ قِران کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ لیتے ہوئے پنجوں کے بل قیدیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ جلد ہی وہ پگڈنڈی کے قریب جا پہنچا۔ عین اُسی وقت آزر ایک موڑ کی طرف گھوم رہا تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مہترِ قِران نے جھاڑی سے سر نکال کر آخری قیدی کو اپنی طرف مُتوجّہ کیا۔ وہ اُس کا بیٹا جاں سوز تھا۔ جان سوز کی نگاہ اُس پر پڑی ہی تھی کہ مہترِ قِران نے اُسے اشارہ کیا۔ ''تھوڑی دیر کے لیے رُک جاؤ۔''

باپ کو دیکھ کر جاں سوز کو رہائی کی کچھ اُمّید تو ہو گئی لیکن وہ یہ نہ سوچ سکا کہ اُسے کِس جگہ اور کِس طرح رُکنا چاہیے۔ سرگوشی میں اُس نے یہ بات برق فرنگی کو بتا دی۔ پھر برق نے ضرغام سے کی اور ضرغام نے اُستاد کے کانوں

تک پہنچا دی۔ اُمّید کی اِس کرن نے عُمرو کا دماغ روشن کر دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ مہتر قِران کافی دیر سے ہمارے آس پاس منڈلا رہا ہے اور کسی وجہ سے آزر کے سامنے آنے سے کترا رہا ہے۔ اُس کی یہ اِحتیاط عُمرو کو بُہت پسند آئی۔ جلد ہی اُس نے یہ بات بھی سمجھ لی کہ آزر کو کچھ دیر راستے میں رُکوانے سے اُس کا مقصد یہی ہو وہ اس سے آگے نکل جائے۔ پگڈنڈی کو آگے جا کر پہاڑوں کے درمیان گھومتا دیکھ کر اُس نے یہ بھی اندازہ کر لیا کہ شاید مہتر قِران کسی تنگ موڑ تک پُہنچنا چاہتا ہے۔ یہ رائے قائم کرتے ہی عُمرو اِکبار گی دھڑام سے زمین پر ِگر گیا۔ آزر جادُو غصّے سے اُس کی طرف لپکا۔ عُمرو آنکھیں اُلٹے اِس طرح اینٹھ اور کپکپا رہا تھا جیسے اُس مِرگی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ آزر نے زنجیر کو کئی جھٹکے دیے لیکن کھڑے ہونے کے بجائے عُمرو مُنہ سے جھاگ نکالنے لگا۔ دُوسرے تینوں عیّار روتے چیختے اُس کے ِگرد اکٹھے ہو گئے۔ وہ سب چلّا رہے تھے۔ "ہائے! بچاؤ! مِرگی کا دورہ پڑ گیا۔"

آزر جادُو یہ ہنگامہ دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا۔ کچھ دیر کھڑا وہ دورہ ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب عُمرو کی حالت خراب ہوتی چلی گئی تو اُس نے جھولی

میں سے ایک لیموں اور چاقو نِکالا۔ لیموں کو کاٹا اور کچھ پڑھتے ہوئے اُس کا عرق عُمرو کے مُنہ پہ ٹپکانے لگا۔ اگر اصلی مِرگی کا دورہ ہوتا تو شاید اُس کے اِس عمل سے فوراً ختم ہو جاتا۔ مگر یہ تو ایکٹنگ تھی۔ مُنہ اور چہرے پر لیموں کے قطرے محسوس کر کے آنکھیں کھولتا، اُٹھنے کی کوشش کرتا اور پھر ِگر کر تڑپنے لگتا۔

آخر جب آزر نے سارا لیموں نچوڑ دیا تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا لیکن ایسا بے دم دکھائی دینے لگا جیسے اُس میں کھڑے ہونے کی بالکل سکت نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد آزر نے اُسے سہارا دے کر اُٹھایا اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ عُمرو لہراتا ہوا چلنے لگا۔ لیکن اُس کی رفتار بُہت سُست تھی۔

مہتر قِران نے اِس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا وہ تیزی کے ساتھ درّے کے اندر جا پُہنچا۔ کچھ دیر بعد آزر بھی قیدیوں کے ساتھ درّے میں داخل ہو گیا۔ اب ایک قطار میں آگے پیچھے آگے بڑھنے لگے۔ نصف سے زائد راستہ بغیر کسی حادثے کے گُزر گیا۔ سارا ے عیّار حیران تھے کہ مہتر قِران کہاں گیا۔ رفتہ رفتہ اُن کے دل ڈوبنے

لگے۔ رہائی کی پیدا ہونے والی اُمّید ماند پڑنے لگی۔ اُنہیں اندیشہ ہونے لگا کہ یا تو مہتر قِران راستہ بھٹک کر کسی اور سمت نِکل گیا ہے یا پھر کسی سبب سے اُن سے پہلے درّے میں داخل نہیں ہو سکا ہے۔

وہ اِنہی خیالات میں محو تھے کہ ایک موڑ سے چند قدم پہلے آزر رُکا اور ایک پودے کے نیچے پڑی کوئی کسی چمکتی چیز کو غور سے دیکھنے لگا۔ عُمرو کی نگاہ بھی خودبخود اُس طرف اُٹھ گئی۔ غور سے دیکھنے پر اُس کا دل اِکبارگی دھڑک اُٹھا۔ چہرے پر سُرخی دوڑ گئی۔ بے اِختیار اُس کے مُنہ سے نِکل گیا۔ ”ارے! شیش ناگ کا مَن؟“

آزر کو بھی یہی خیال ہو رہا تھا۔ عُمرو کے مُنہ سے یہ الفاظ سنتے ہی اُس کی باچھیں کِھل گئیں۔ ہاتھ بڑھا کر اُس نے جلدی سے مَن اُٹھالیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ ”کیا تُم شیش ناگ کے اصلی مَن کی پہچان پہچان بتا سکتے ہو؟“ آزر نے عُمرو سے پوچھا۔

”بہت آسان ہے۔“ عُمرو نے کہا۔ ”مُنہ کی بھاپ دے کر دیکھو۔ چمک پہلے سے بڑھ جائے تو سمجھو اصلی ہے، ورنہ نقلی۔“

یہ سُنتے ہی آزر مَن کو بھاپ دینے لگا۔ عُمرو اور دوسرے عیّاروں نے فوراً سانس روک لی۔ اِکبارگی مَن چیخ کر دو ٹکڑے ہوا۔ اُس میں سے ایک غبار نِکلا اور آزر کی ناک اور حلق کے اندر داخل ہو گیا۔ آزر زور سے چھینکا اور دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

''وُہ مارا!'' چاروں عیّاروں نے خُوشی سے نعرہ الد کیا۔ چند ہی لمحوں بعد مہتر قِران ہاتھ میں خنجر لیے موڑ کے پیچھے سے نِکل کر سامنے آیا۔ عُمرو کو دیکھتے ہی اُس نے ادب سے سلام کیا اور پھر آزر جادُو کے سینے پر سوار ہو کر اُس کا کام تمام کر دیا۔

آزر کے مرتے ہی گھٹاٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ زوردار آندھی چلنے لگی۔ رونے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں، پھر جب کچھ دیر بعد یہ ہنگامہ تھما تو صدا آئی۔

''ہیہات! مجھے بکرے کی طرح ذبح کر دیا۔ میرا نام آزر جادُو تھا۔''

جادُو کی وہ زنجیر جس میں چاروں عیّار بندھے ہوئے تھے خود بخود غائب ہو گئی۔ آزاد ہوتے ہی باری باری سب مہتر قِران کو گلے لگانے لگے۔ عُمرو نے

دِل کھول کر اُس کی عقل مندی کی تعریف کی۔ بعد میں چاروں شاگردوں نے اُس سے آیندہ کے لیے ہدایات طلب کی تو اُس نے کہا۔

”بہتر ہے کہ اب ہم ایک دوسرے سے زیادہ دور دور نہ رہیں۔ آگے پیچھے سب طِلسم افراسیاب تک پُہنچنے کی کوشش کریں۔ جو خطرے ہمیں یہاں ہیں ویسے ہی یا اِس سے کچھ زیادہ وہاں ہوں گے۔ ہم کیوں اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں۔ یہاں صرف چھوٹے درجے کے سردار ہمارے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ وہاں افراسیاب کے درباری اور ماتحت بادشاہ تو ہمارے شکار ہوں گے۔“

سب نے اس رائے سے اِتّفاق کیا۔ عُمرو آگے آگے اور دوسرے اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ درّہ پار کر گئے۔ اِس بعد وہ دِن اور رات میں صرف چند گھنٹے آرام کرتے۔ باقی سارا وقت سفر کرتے رہتے۔ میدان، پہاڑ، ندی نالے پار کرتے ہوئے جادُوگروں کی بستیوں، شہروں، بنگلوں، اور باغوں سے بچتے بچاتے وہ طِلسم ظاہِر کی سمت مُسلسل بڑھتے رہے۔

اب کچھ شہزادہ اسد کا حال سُنیے۔ شُعلہ جادُو اسے شہزادی مہ جبین اور دل آرام کے ساتھ طلِسمی جال میں لپیٹ کر اُڑتا چلا جا رہا تھا۔ تینوں قیدی رہائی سے مایوس ہو کر حسرت سے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ البتّہ اُن کے دِل گِڑگڑا کر بار گاہِ خُداوندی میں نجات کی دُعائیں کر رہے تھے۔ کچھ دیر تک وہ سب ایک جیسی حالت میں اُڑتے رہے مگر پھر اچانک اُلٹ پلٹ ہونے لگے۔ ایسا لگتا جیسے شُعلہ کبھی قلا بازی کھاتا ہے کبھی ایک دَم پلٹ کر دائیں طرف اُڑنے لگتا ہے اور کبھی بائیں طرف۔ پھر چند لمحوں بعد وہ سیدھا تیر کی طرح نیچے اُترنے لگا۔ سارے قیدی حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ اچانک شہزادی مہ جبین ایک سمت اِشارہ کر کے چیخ پڑی۔

"وہ دیکھو۔"

"شہزادہ اسد نے زمین کی طرف دیکھا مگر دل آرام کی نگاہ اُس طرف اُٹھ گئی جِدھر شہزادی نے اِشارہ کیا تھا۔ اُس کا دل تھرّا اُٹھا۔ اُس طرف سے ایک انتہائی خوفناک دیو باز کی طرح شُعلہ پر جھپٹ رہا تھا۔

"اف دیو۔" دل آرام دہشت سے پُکاری اور اُس کی گھِگھی بندھ گئی۔

اب شہزادہ اسد کی نگاہ بھی دیو کی جانب اُٹھ گئی مگر اُسے غور سے دیکھتے ہی خوف کے بجائے خُوشی سے اُس کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ دل آرام اور شہزادی مہ جبین کو تسلّی دیتے ہوئے وہ بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ دیو دُشمن نہیں دوست ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دیو سے مخاطب ہوا اور جنّاتی زبان میں پوری طاقت سے چلّا کر بولا "خُوزمان! میں اسد ہوں۔ ملکہ آسمان پری کا نواسہ۔ اِس جادُوگر نے ہمیں قید کر رکھا ہے۔"

یہ وہ وقت تھا کہ شُعلہ جادُو کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے خُوزمان دِیو کو موقع مِل چُکا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ شُعلہ کے دائیں بائیں پُہنچ چُکے تھے اور اسے صرف اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں مِلانا تھا۔ اگر وہ ایسا کر دیتا تو شُعلہ کے ساتھ اسد وغیرہ بھی اُس کی ہتھیلیوں میں مسلے جاتے۔ اسد کے الفاظ سنتے ہی خوزمان نے اپنے ہاتھ اُٹھا لیے اور اُس جال کو گھُور کر دیکھنے لگا جو شُعلہ جادُو کے کندھے سے لٹکا ہُوا ہوا میں جھُول رہا تھا۔

یہ دیو کوہ قاف کی ملکہ آسمان پری کا خاص نامہ بر تھا۔ جب امیر حمزہ کوہ قاف گئے تھے تو وہاں انہوں نے ملکہ سے شادی کر لی تھی۔ اسد کی ماں اِسی ملکہ کی بیٹی تھی۔ ملکہ کبھی کبھی امیر حمزہ کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے لیے اپنے خوزمان دیو کو بھیجا کرتی تھی۔ اِس وقت خوزمان اُس کا ایک خط لے کر امیر حمزہ کے پاس جا رہا تھا۔ اسد کو دیکھ کر اس نے فوراً پہچان لیا۔ غصّے سے اُس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ اب تک وہ شُعلہ اور اُس کے قیدیوں کو ہوا ہی میں پکڑ کر کھا جانے کا ارادہ رکھتا تھا مگر ملکہ کے نواسے کو دیکھ کر اُسے اپنا یہ خیال بدلنا پڑا۔

اسی وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شُعلہ جادُو ڈُبکی لگا کر دائیں طرف گھوم گیا اور زمین کی طرف جانے کے بجائے تیر کی طرح سیدھا آسمان کی طرف اُٹھتا چلا گیا۔ وہ اِتنا اُونچا اُٹھ جانا چاہتا تھا کہ دیو اُسے دیکھ نہ سکے۔ بچ نکلنے کی بس یہی ایک صورت تھی۔ اِس لیے کہ دیوؤں کے لیے زیادہ تیزی سے گھومنا اور سیدھا اوپر اُڑنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ خوزمان نے اسد کی سلامتی کے خیال سے شُعلہ جادُو کو ہوا میں اُڑتے ہوئے پکڑنے یا مار گرانے کا خیال ترک کر دیا تھا۔

اُس کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اُسے زمین پر اُترنے کے لیے مجبور کر دیا جائے۔

شُعلہ جادُو کو سیدھا آسمان کی طرف جاتا دیکھ کر خوزمان چکّر لگاتے ہوئے اُس کے اُوپر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ چوتھے ہی چکّر میں وہ اُس کے سر پر تھا۔ بس اس کے بعد اُس نے شُعلہ جادُو کو اُوپر یا دائیں بائیں نہ جانے دیا۔ مجبور ہو کر وہ نیچے اُترنے لگا۔ بار بار وہ پہاڑی علاقے کی طرف اُترنے کے لیے للکتا لیکن خوزمان اُسے گھیر کر کھلے میدانی علاقے کی طرف بڑھنے پر مجور کر دیتا۔ اگر شُعلہ پہاڑی علاقے میں اُتر جاتا تو چٹانوں کے درمیان کسی بھی تنگ جگہ میں چھُپ کر محفوظ ہو جاتا۔ خوزمان یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا۔ چنانچہ آخر تک اُس نے شُعلہ جادُو کر اس کا موقع نہ دیا۔ خُود کو بے بس پا کر شُعلہ جادُو نے آخری کوشش کی۔ ایک قلابازی کھائی اور تڑپ کر ترِچھا اُس طرف اُڑتا چلا گیا۔ جدِھر میدان ایک تنگ درّے سے جا مِلتا تھا۔ خُوزمان اُسے اُس طرف جانے سے تو نہ رُوک سکا البتہ اُس کے پیچھے لگ گیا۔

شُعلہ جادُر نے درّے کے دہانے کے قریب پُہنچ کر زمین سے پیر ٹیکے۔ قیدیوں والا جال کندھے سے اُتار کر پھینکا اور درّے میں جا چھُپنے کے لئے دوڑ پڑا۔ خوزمان دیو کے پیر بھی زمین سے لگ چُکے تھے مگر وہ دوڑ کر یا صرف ہاتھ لمبا کر کے اُسے نہ پکڑ سکتا تھا۔ چٹانوں کی ایک تنگ دراڑ شُعلہ جادُو سے چند قدم کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ درّے میں داخل ہونے سے پہلے وہ اس دراڑ میں آسانی سے پناہ لے سکتا تھا۔ یہ دیکھ کر خوزمان اپنی جگہ سے اُچھلا اور پیٹ کے بل گِرتے ہُوئے ہاتھ لمبا کر کے شُعلہ جادُو کو اپنے پنجے کی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔

یہ کوشش کامیاب رہی۔ شُعلہ جادُو کی کمر خوزمان کی مٹھی میں آچکی تھی۔ اِس کے بعد خوزمان نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ اُس نے اپنا خوفناک مُنہ کھولا اور شُعلہ جادُو کو لُقمہ تر کی طرح بغیر چبائے نگل گیا۔ یہ دیکھ کر دل آرام اور شہزادی مہ جبین کے چہرے زرد پڑ گئے۔ شہزادہ اسد ناپسندیدگی سے خوزمان کو گھورنے لگا۔

شُعلہ جادُو کو ہڑپ کر کے خوزمان بڑے فخر کے ساتھ شہزادہ اسد کی طرف چلا لیکن ابھی اُس نے چند ہی قدم اٹھائے تھے کہ اُس کے پیٹ میں زبردست مروڑ آنے لگا۔ درد کی تکلیف سے وہ زمین پر ِگر گیا اور زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑانے لگا۔ شہزادہ اسد سے اُس کی یہ تکلیف نہ دیکھی گئی۔ چُلّو میں پانی لے کر اُس نے اسمِ اعظم پھُونکا اور وہ پانی خوزمان کے پیٹ پر چھڑک دیا۔ چند لمحے بعد ایک خوفناک ڈکار خوزمان کے حلق سے نِکلی۔ اُس کے بعد وہ ٹھیک ہو گیا۔ ڈکار کیا تھی آندھی کا ایک جھونکا تھی یا طُوفان کا جھکّڑ تھا۔ اِرد گرد کے درختوں کی شاخیں اِس کے زور سے ٹُوٹ گئیں۔ رونے چِلّانے کی پراسرار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بعد میں کوئی پُکارا۔

"غضب ہوا! مجھے جیتے جی نِگل کر ہلاک کیا۔ میرا نام شُعلہ جادُو تھا۔"

شہزادہ اسد نے خوزمان کو تاکید کی کہ آیندہ کبھی وہ کسی جادُوگر کو اِس طرح نہ کھائے۔ خوزمان شرمندہ ہوا تو اسد نے اُن سے اپنی نانی جان کی خیر وعافیت پُوچھی اور نانا جان یعنی امیر حمزہ کے لیے پیغام دیا کہ میر الشکر طلِسم ہوش رُبا کی پہلی ہی منزل پر غائب ہو چکا ہے لیکن مُجھے کوئی پروا نہیں۔ یہاں مجھے شہزادی

مہ جبین الماس پوش اور وزیر زادی دل آرام کی مدد حاصل ہو چکی ہے۔ میرے لیے بہت ہے، میرا بھروسا ذاتِ الٰہی پر ہے اور یقیناً اُس کی عنایت میرے شاملِ حال رہے گی۔ اب میں افراسیاب کی طرف جاتا ہوں جب تک اُن کے ناپاک وُجود کو خاک میں نہ ملاؤں گا ہرگز صورت نہ دکھاؤں گا۔ میرے لے بس دُعا فرماتے رہیں۔"

خوزمان شہزادہ اسد کا یہ پیام ذہن نشین کر چُکا تو شہزادے نے اُسے رخصت کیا۔ ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ عرب جانے کے بجائے وہ سیدھا کوہ عتیق کی سرحد پر جائے اور امیر حمزہ کی بارگاہ تلاش کرے۔

دیو کے جانے کے بعد شہزادہ اسد نے شہزادی مہ جبین اور دل آرام کو مخاطب کر کے کہا۔ "اب میرا ارادہ یہاں سے سیدھا طلِسم افراسیاب کی طرف جانے کا ہے، جب جنگلوں اور بیابانوں میں بھی ہم اُس کے جادُوگروں کے حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے تو کیوں نہ وہیں پُہنچ کر خطرات کا مقابلہ کریں۔ اگر اِس مُہم میں آپ لوگ میرا ساتھ دیں تو مجھے بڑی خُوشی ہو گی۔ لیکن اگر کسی محفوظ

جگہ پر ٹھہرنا پسند کریں تو مُجھے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ طِلسم فتح کرنے کے بعد آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔

شہزادی اور دل آرام دونوں میں سے کوئی شہزادہ اسد کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوا۔ دونوں نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ شہزادہ راضی ہو گیا تو دِل آرام نے کہا۔ ”طِلسم باطن میں داخل ہونا ہمارے لیے فی الحال نا ممکن ہے۔ طِلسم ظاہر میں بھی سیدھے جا پہنچنا مناسب نہ ہو گا۔ بہتر ہے کہ ہم یہاں سے طِلسم ظاہر کے سلسلۂ کوہ میں کہیں جا چھپیں۔ وہاں بے شمارے غار، کھائیاں اور درّے وغیرہ ہیں۔ اگر ہم برسوں وہاں رہیں تو بھی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ وہاں رہتے ہوئے ہم طِلسم ظاہر میں آ جا کر حالات معلوم کر سکتے ہیں۔“

شہزادہ اسد نے اُس کی اِس رائے سے پورا پورا اِتّفاق کیا۔ دِل آرام کی جادُو کی طاقت، جو صحرائے طِلسم میں جاتی رہی تھی بحال ہو گئی۔ پتھّر کی تین چٹانوں پر اُس نے کوئی منتر پڑھ کر پھُونکا۔ دم کے دم میں چٹانوں کی جگہ تین جیتے

جاگتے گھوڑے مع ساز و لگام کے ظاہر ہوئے۔ تینوں اُن پر سوار ہوئے اور دل آرام کی رہبری میں منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

شہزادی مہ جبین کی نانی ملکہ مہ رُخ سحر چشم اُس سے بڑی محبت کرتی تھی۔ پہلے وہ طلِسم باطن کے شاہی محلّات میں رہا کرتی تھی لیکن جب اُس کے لڑکے شکیل جادُو نے شہنشاہ افراسیاب کی بیٹی خوبصُورت جادُو سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو شہنشاہ افراسیاب اُس کا دُشمن ہو گیا۔ اِس پر ملکہ مہ رُخ اور شکیل جادُو کو ساتھ لے کر طلِسم باطِن سے نِکل گئی اور طلِسم ہوش رُبا کی حدود میں ایک دُور دراز مقام پر ایک مضبوط قلعہ بنا کر رہنے لگی۔ چوبیس ہزار جادُوگروں کا لشکر اُس کے ساتھ رہتا تھا۔

طلِسم باطن چھوڑنے کے بعد ہر ہفتہ وہ پیغام بروں کے ذریعے شہزادی مہ جبین کی خیریت معلُوم کرتی رہتی تھی بلکہ اُسے کچھ تحفے اور دوسری چیزیں بھی بھیجتی رہتی تھی۔ اِتّفاق کی بات کہ جس دِن شہزادی مہ جبیں اسد اور دِل آرام کے ساتھ اپنے باغ سے نِکلی اور شہنشاہ افراسیاب کے خوف سے فرار ہو گئی اُس کے دوسرے ہی دِن ملکہ مہ رُخ سحر چشم کا قاصد اُس کا ایک خط اور

کچھ تحفے لے کر شہزادی کے باغ میں پُہنچا۔ مگر وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ ہر زبان پر صنوبر جادُو کے قتل، شہزادی کے فرار اور شہنشاہ کے عتاب کا ذکر تھا۔ قاصد اُلٹے پاؤں واپس پہنچا اور جا کر سارا قصّہ ملکہ مہ رُخ کو کہہ سنایا۔ ملکہ، افراسیاب سے پہلے ہی دل میں ایک زخم کھائے بیٹھی تھی۔ یہ دوسرا زخم لگتے ہی تلملا اُٹھی۔ فوراً اُس نے اپنے بیٹے اور جادُوگر سرداروں کو طلب کیا۔ وہ چاہتی تھی کہ شہنشاہ افراسیاب پر چڑھائی کر کے اُس سے انتقام لیا جائے۔ خیر خواہ سرداروں نے اُسے سمجھایا کہ ایسی حرکت خُودکُشی جیسی ہو گی۔ شہنشاہ کے سینکڑوں ماتحت بادشاہ ہمارے مقابلے میں کئی گنا زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔ اگر شہنشاہ نے اُن میں سے صرف چند کو اِشارہ کر دیا تو ہمارا اِس قلعے میں رہنا بھی دو بھر ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے ہم چند ہوشیار جادُوگروں کو شہزادی کی تلاش میں بھیجیں۔ اگر وہ کہیں مل جائے تو اسے یہاں لے آئیں۔ اگر یہ بات شہنشاہ کو بھی معلوم ہو گئی تو خاندان کا معاملہ سمجھ کر ٹال جائے گا۔ شہزادی کی واپسی پر زور نہ دے گا۔ یوں سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔

آخر کار ملکہ کو یہی رائے تسلیم کرنی پڑی۔ چند انتہائی سمجھ دار اور ماہر جادُوگر شہزادی کی تلاش میں روانہ کر دیے گئے۔ طرّار جادُو اُنہیں میں سے ایک تھا۔ شہزادی اور اس کے ساتھی گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اپنی منزل کی طرف چلے جارہے کہ طرّار جادُو نے اُنہیں دیکھ لیا۔ وہ ایک اُونچے درخت پر چڑھا ہوا اِرد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ شہزادی کی جھلک دیکھتے ہی وہ اُسے پہچان گیا اور منتر پڑھ کر اُس کے گھوڑے کو بے حِس کر دیا۔ دل آرام آگے تھی۔ شہزادہ اسد شہزادی کے پیچھے چل رہا تھا۔ طرّار کے جادُو سے شہزادی کا گھوڑا جم کر کھڑا ہو گیا تو اسد کا گھوڑا اُس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ دل آرام نے اپنے پیچھے کچھ گڑبڑ محسوس، کی تو وہ بھی گھوڑا پلٹا کر شہزادی کے قریب آ گئی۔ شہزادی بار بار لگام کو جھٹکے دے رہی تھی لیکن اُس کا گھوڑا حرکت نہ کرتا تھا۔

”کسی نے گھوڑے پر جادُو کر دیا ہے۔“ شہزادی بے بسی سے چلّائی۔

طرّاز جادُو اتنی دیر میں درخت سے نیچے اُتر چکا تھا۔ اس نے اُونچی نرم آواز میں کہا۔ ”پریشان نہ ہوں۔ گھوڑے کو میں نے روکا ہے۔“

اسد نے کمان ہاتھ میں لے کر ترکش سے تیر گھسیٹا تو وہ چلّایا۔ ”میں شہزادی کا خادم ہوں۔ دشمن مت سمجھو۔“

شہزادی نے پلٹ کر اُسے دیکھا تو اسد کو روکتے ہوئے بولی۔ ”اسے مت مارنا۔ یہ میری نانی کا وفادار ہے۔“ پھر طرّار سے پوچھنے لگی: ”طرّار جادُو! تم یہاں کہاں؟“

طرّار نے قریب آ کر شہزادی کو ادب سے سلام کیا اور ملکہ مہ رُخ کی پریشانی اور ہدایت اُس سے بیان کی۔ شہزادی کو جب پتا چلا کہ طرّار اُسے نانی کے پاس لے جانے کے لیے آیا ہے تو وہ گُم سُم سی ہو گئی۔ دل آرام اور شہزادہ اسد نے خیال کیا کہ شاید شہزادی جانا چاہتی ہے۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے شہزادی کو گھورنے لگے۔ شہزادی نے چونک کر اپنے آنسو پونچھے اور طرّار سے کہنے لگی۔ ”اب میں جیتے جی شہزادہ اسد کو چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔ نانی جان سے کہہ دینا، ہم طلِسم ظاہر کے پہاڑوں میں جا رہے ہیں۔ شہزادہ اسد کے ہاتھوں افراسیاب کی موت اور اُس کے طلِسم کی بربادی اٹل ہے۔ اگر نانی جان کو مجھ سے محبت ہے اور وہ افراسیاب سے انتقام بھی لینا چاہتی ہیں تو اِس سے بہتر موقع اُنہیں

کبھی نہ ملے گا۔ اُن سے کہنا کہ اپنی ساری فوج لے کر طلِسم کے پہاڑوں میں ہم سے آملیں۔ ہم ان کا انتظار کریں گے۔"

شہزادی نے اپنی بات ختم کی تو طرّار جادُو نے اُسے جھک کر سلام کیا، منتر پڑھ کر اُس کے گھوڑے پر پھونکا اور پھر ایک طرف کو چل دیا۔ وہ تینوں بھی اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اب ان کے حوصلے پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اُنھیں اُمّید ہو گئی تھی کہ ملکہ مہ رُخ سحر چشم شہزادی کا پیغام سُنتے ہی اُن کی مدد کے لِیے روانہ ہو جائے گی۔

اور ہوا بھی ایسا ہی۔ جیسے ہی طرّار جادُو نے جا کر ملکہ کو ساری بات بتائی اُس نے اپنے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دے دیا۔ بلکہ مہ رخ سحر چشم زبردست جادُوگرنی ہونے کے ساتھ ساتھ طلِسم کے راز سے بھی واقف تھی۔ اُس نے تہیّہ کر لیا کہ وہ شہزادے کو طلِسم کا سارا راز بتا دے گی اور ہر طرح اُس کی مدد کرے گی۔ لشکر کے تیّار ہو جانے پر ملکہ مہ رُخ اور اُس کا بیٹا شکیل جادُو سب پورے جوش و خروش کے ساتھ طلِسم ظاہر کے پہاڑوں کی طرف چل دیے۔

اُدھر افراسیاب کچھ دِنوں ہر بات سے لاپرواہو کر سیر و شکار اور راگ رنگ میں مصروف رہا۔ دربار بالکل موقوف رہا۔ بعد اِس کے جب ایک دن اُس نے دربار لگایا، وزیروں نے اُسے گزشتہ دِنوں کا سارا کچّا کہہ سُنایا تو آزر جادُو اور شُعلہ جادُو کے ہلاک ہونے کی خبر سُن کر اُس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔
کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے اپنے مُصاحبِ خاص ارماق جادُو سے کہا۔
"تم اسی وقت اُڑتے ہوئے جاؤ۔ آزر جادُو کی لاش درّے میں سے اُٹھا کر کسی اچھی جگہ دفن کرو۔ وہ طلِسمی ہار جو عیّاروں کی پہچان کے لیے میں نے اُسے دیا تھا، اُس کے گلے میں پڑا ہو گا۔ اُسے اُتار کر لیتے آنا اور رات ہوتے ہوتے خِدمت میں واپس آ جانا۔ کل دن کو میں کِسی ایسے جادُو گر کو بھیجوں گا جو عُمرو اور اس کے باقی عیّاروں کو کسی طرح بھی بچ کر نہ جانے دے گا۔ اس کے بعد شہزادی مہ جبین کی فِکر کی جائے گی۔"
ارماق جادُو حکم پاتے ہی اُڑا۔ دن ڈھلتے ڈھلتے آزر کی لاش کو گلے ٹھکانے لگا کر اور طلِسمی ہار اس کے گلے سے اُتار کر واپس آ گیا۔ افراسیاب اُس وقت جشن منا رہا تھا۔

دوسرے دن دربار میں آتے ہی افراسیاب نے کتابِ سامری دیکھ کر عیّاروں کا حال معلُوم کیا۔ جب تک وہ کتاب دیکھتا رہا اہلِ دربار خاموشی سے نیچی نگاہیں کیے بیٹھے رہے۔ نامور ساحروں میں سے ہر ایک سوچتا تھا کہ اب اُسے ہی عیّاروں کی گرفتاری کے لیے بھیجا جائے گا۔ کچھ دیر بعد اُنہوں نے افراسیاب کے چہرے پر نگاہ کی تو جوش اور غصّے کی سُرخی اُس کی پیشانی پر چمکتی پائی۔ حکم سُننے کے لیے سب بے چین ہونے لگے۔

افراسیاب نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھی اور اہلِ دربار پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "عیّاروں کی تلاش میں جانا فی الحال ضروری نہیں۔ اسد، مہ جبین اور دل آرام طلِسم ظاہر کے پہاڑوں میں پہنچ چکے ہیں۔ ملکہ مہ رخ سحر چشم بھی اپنی فوج سمیت وہیں جارہی ہے۔ پانچوں عیّار جس سمت بڑھ رہے ہیں اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی وہیں پہنچیں گے۔ اِس لئے ہر ایک کے پیچھے مارے مارے پھرنے سے بہتر یہی ہے کہ تم میں سے کچھ نامور وہاں جائیں جہاں اسد اور مہ جبین وغیرہ موجود ہیں۔ اور ان کو ایک ایک کر کے گرفتار کریں۔"

یہ کہہ کر افراسیاب نے دو جادُوگروں کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ نزدیک آ گئے تو اُس نے ایک تھیلی اُٹھا کر اُن میں سے ایک کی طرف بڑھائی اور کہنے لگا۔ ”اس میں جمشید اور سامری کی قبر کی مٹی ہے۔ دُشمن کا ہر وار اِس سے ناکارہ ہو جائے گا۔ اِس کے علاوہ یہ مٹّی تم جِس کے بھی اُوپر ڈال دو گے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا جادُوگر کیوں نہ ہو، فوراً بے ہوش ہو جائے گا۔ اگر ملکہ مہ رُخ سحر چشم اور اُس کے جادُوگروں سے مقابلہ پیش آئے تو اِسی سے کام لینا۔

اُس جادُوگر نے تھیلی افراسیاب کے ہاتھ سے لے کر اُسے سلام کیا۔ اور پھر حکم کے مطابق اپنے ساتھی کے ساتھ طلِسم ظاہر کے پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

اُدھر ملکہ مہ رخ سحر چشم کچھ دُور تو اپنے لشکر کے ساتھ چلتی رہی لیکن جب اُسے اِحساس ہوا کہ اُس طرح وہ جلد سے جلد شہزادی مہ جبین تک نہ پہنچ سکے گی تو اُس نے لشکر کی کمان اپنے بیٹے شکیل جادُو کے حوالے کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ ”سب کے ساتھ تیز رفتاری سے سفر کرنا مشکل ہے۔ میں آگے جاتی ہوں۔ تم لشکر کے ساتھ پہنچنا۔“ بیٹے کو یہ ہدایت دے کر ملکہ نے جادُو کی

طاقت سے ایک بڑا شہباز پیدا کیا اور اُس پر سوار ہو کر اُڑتی ہوئی نظروں سے غائب ہو گئی۔

دوسری طرف پانچوں عیّار ایک دوسرے سے دُور دُور رہتے ہوئے ایک سمت کو طرّارے بھرتے چلے جا رہے تھے۔ اپنی غیر معمولی تیز رفتاری کے سبب عُمرو اُن سب سے کئی منزل آگے نکل گیا تھا۔ بڑھتے بڑھتے وہ ایک ایسے پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گیا جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ وادیاں سر سبز و شاداب تھیں۔ چشموں اور پھل دار درختوں کی فراوانی تھی۔ ساتھ ہی درّوں، دراڑوں، گھاٹیوں اور کھائیوں کا بھی ہر طرف ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ دم لینے کے خیال سے وہ ایک جگہ رُک گیا۔ اُسی لمحے کانوں میں مِلے جُلے قہقہوں کی آواز آئی۔ وہ چونک کر چاروں طرف غور سے دیکھنے لگا۔

مہ جبین کی تخت نشینی

قہقہوں کی آواز فوراً ہی غائب ہو چکی تھی اور کوئی ہوتا تو شاید اُسے اپنا وہم سمجھتا۔ پھر اگر یہ آواز مسلسل گونجتی رہتی تو شاید عُمرو بھی یہی خیال کرتا کہ یہ کوئی طِلسمی شعبدہ ہے مگر اب اُسے اِس بات میں کوئی شبہ نہ رہا کہ وہ کسی عورت اور مرد کے ہنسنے کی آواز تھی اور یہ کہ اِرد گرد ضرور دو یا دو سے زیادہ انسان موجود ہیں یہ کون ہو سکتے ہیں؟ عُمرو اِس بارے میں کوئی رائے قائم نہ کر سکا۔ اب اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ جو بھی ہوں، قریب کی ایک بڑی چٹان کے پیچھے ہی ہوں گے۔

چٹان کے پیچھے جانے کا راستہ خاصا کُشادہ اور ہموار تھا۔ عُمرو جست لگا کر اُس کے قریب جا پُہنچا اور پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُونچی

چٹانوں سے گھری ہوئی ایک خاصی کُشادہ اور ہری بھری وادی اُس کے سامنے تھی۔ بائیں جانب ایک بُلند مقام پر نگاہ پڑتے ہی اُس کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہاں ایک خوب صورت جادُو گرنی کھڑی چوکسی کر رہی تھی۔ قبل اِس کے کہ اُس کی نگاہ عُمرو پر پڑتی۔ عُمرو جلدی سے دو پتھروں کے بیچ دُبک گیا اور درمیان کی باریکی دراڑ میں آنکھ جما کر اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

اسی موقع پر دوبارہ قہقہوں کی آواز اُس کے کانوں میں آئی اور اُس کی نگاہ خُود بخود جادُو گرنی سے ہٹ کر نیچے وادی کے ایک جھاڑ کے سامنے جم گئی۔ ایک چورس پتھر پر ایک مرد اور عورت بیٹھے آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ لڑکی قیمتی لباس اور جڑاؤ زیورات پہنے تھی اور کوئی شہزادی دکھائی دے رہی تھی۔ مرد کی کمر میں تلوار، پُشت پر ترکش اور شانے پر کمان لٹک رہی تھی۔ چہرے سے شجاعت اور شرافت جھلک رہی تھی۔ آن بان کے لحاظ سے وہ بھی کوئی سورما اور شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ اُسے پہچاننے میں عُمرو کو زیادہ دیر

نہ لگی۔ بلا شُبہ وہ اس کے مُنہ بولے بیٹے کرب کا فرزند، امیر حمزہ کا نواسا، شہزادہ اسد غازی تھا۔

عُمرو بے دھڑک پتھروں کی اوٹ سے نکلا اور اسد کی طرف بڑھتے اونچی آواز میں کہنے لگا۔

"او نامعقول لڑکے! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تُو تو طلِسم فتح کرنے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔"

دل آرام بُلندی پر کھڑی چوکسی کر رہی تھی۔ اُس نے جو ایک مخنچو قسم کے اول جلول آدمی کو شہزادہ اور شہزادی کی طرف لپکتے دیکھا تو بھاگتی ہوئی اُن کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اُس کی ڈانٹ سن کر وہ اور شہزادی مہ جبین دونوں حیرت کے ساتھ اُسے گھورنے لگیں۔ اِس کے بر عکس شہزادے کا چہرہ اُسے دیکھتے ہی کِھل گیا۔ شہزادے نے لپک کر اُس کا استقبال کیا اور جھک کر سلام کرتے ہوئے بولا "دادا جان! خُوش آمدید! بس اب طلِسم ہنستے کھیلتے ختم ہو جائے گا۔"

عُمرو نے شہزادے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور محبّت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ شہزادی مہ جبین اور دل آرام یہ حال دیکھ کر بھونچکا رہ شہزادی سے صبر نہ ہو سکا۔ اُس نے اسد کہا۔ ”شہزادہ صاحب! یہ آپ کے دادا جان ہیں؟“

”ہاں شہزادی صاحبہ!“ اسد نے جواب دیا۔ اِنہوں نے میرے والد کو گود لیا تھا۔ یہ میرے نانا کے بچپن کے یار، دُنیا کے سب سے بڑے عیّار عُمرو نامدار ہیں۔ خُدا کا شکر ہے یہ آ گئے۔ اب افراسیاب، اُس کے جادُوگروں اور طلِسم ہوش رُبا کی تباہی یقینی جانو۔“

شہزادے کی یہ باتیں سُن کر شہزادی اور دل آرام نے جھک کر عُمرو کو سلام کیا مگر عُمرو نے بُرا سامنہ بنا کر شہزادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسد سے کہا۔ ”تو نے بالکل ہی خاندان کی ناک کٹوا دی۔ تو اِس کو شہزادی کہتا ہے؟ توبہ توبہ! ذرا اِس کی شکل تو دیکھو۔“

شہزادی مہ جبین کا مُنہ فق ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔ دِل آرام بھی سنّاٹے میں آ گئی مگر شہزادہ اسد مُسکرا دیا۔ شہزادی کے کان کے

قریب مُنہ لے جا کر اُس نے کہا۔ ”شہزادی! اِن کے کہنے کا بُرا نہ ماننا۔ یہ لالچی آدمی ہیں۔ بغیر کچھ وصول کیے راضی نہیں ہوتے۔“

شہزادی نے جلدی جلدی اپنے ہاتھوں کے کڑے اُتارے اور عُمرو کو پیش کر دیئے۔ کڑے پاتے ہی عُمرو کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے شہزادی کے سر اور پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹی تو واقعی شہزادی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تو کیا دیکھ کے اِس عربی بدّو اسد کے پلّے بندھ گئی۔“

عُمرو کی یہ تبدیلی دیکھ کر شہزادی، شہزادہ اور دل آرام تینوں کھِل کھلا کر ہنس پڑے۔ عُمرو نے ہاتھ اُٹھا کر دعا دی۔ ”خُدا تمہیں اِسی طرح ہنستا رکھے۔“

چند لمحے ہنسنے ہنسانے کے بعد عُمرو اور شہزادہ اسد ایک دوسرے کو اپنی آپ بیتی سنانے لگے۔ دِل آرام اپنی جگہ واپس جا کر چوکسی کرنے لگی۔

اچانک دِل آرام کو ایک بہت بڑا شہباز اُڑتا ہوا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اُس کے اوپر ایک جادُوگرنی سوار تھی۔ دل آرام چھُپ کر اُسے دیکھنے لگی۔ شہباز جِس رفتار سے اُڑتا ہُوا آیا تھا اُسی رفتار سے وادی کے اوپر سے اُڑتا ہُوا چلا گیا۔ دِل آرام کی جان میں جان آئی لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ شہباز پھر

پلٹتا دکھائی دیا۔ اِس مرتبہ اُس نے واری کے گرد ایک چکّر لگایا اور پھر ڈبکی لگا کر ایک قریب پہاڑی کی اوٹ میں غائب ہو گیا۔ وادی کے اندر آنے والا دوسرا راستہ اِسی طرف آتا تھا۔ دِل آرام نے اُس راستے پر نگاہیں جما دیں۔ اب اُسے یقین ہو چکا تھا کہ شہباز پر سوار جادُوگرنی ہماری ہی تلاش میں تھی اور اُسے معلوم ہو چکا ہے کہ ہم اِس وادی میں موجود ہیں۔ وہ اِس پر جادُو کے بان چلانے کے لیے تیّار ہو بیٹھی۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک بوڑھی مگر تندرست اور رعب دار جادُوگرنی وادی کے راستے پر بڑھتی ہوئی دکھائی دی۔ دل آرام جادُو کا بان مارنے ہی والی تھی کہ اُسے پہچان گئی۔ آنے والی شہزادی مہ جبین کی نانی ملکہ مہ رُخ سحر چشم تھی۔ شہزادی کو اطلاع دینے کے لیے وہ پہاڑی سے نیچے اُترنے لگی۔ اِس اثنا میں شہزادہ اسد اور عُمرو کی بھی مہ رُخ پر نگاہ پڑ گئی۔ شہزادہ تلوار کھینچ کر اُس کی طرف لپکا۔ عُمرو نے عیّاری کی چادر اوڑھ لی۔ مہ رُخ اسد کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر پُکاری۔

"شہزادے! تلوار نیام میں رکھ لو۔ میں دُشمن نہیں، مہ جبین کی نانی ہوں۔ میری بچی کہاں ہے؟ اُس سے ملنے کو بے چین ہوں۔" نانی کی آواز سُنتے ہی شہزادی مہ جبین دوڑی ہوئی آئی اور اُس کے قدموں سے لپٹ گئی۔ مہ رُخ نے اُسے گلے سے لگا کر خوب پیار کیا اور پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگی۔ "بیٹا! تیری محبت میں کھینچی چلی آئی ہوں۔ پر انجام مجھے اچھا نظر نہیں آتا۔ افراسیاب زبردست جادُوگر اور طاقتور بادشاہ ہے۔ اُس کے مقابلے میں فتح حاصل کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔ وہ چاہے تو دم کے دم میں ہمیں نیست و نابود کر سکتا ہے۔"

مہ رخ کی یہ گفتگو سُن کر اسد کو جوش آگیا۔ اُس نے جواب دیا۔ "یہ آپ کیا کہتی ہیں۔ اُس نابکار کی کیا طاقت جو ہمیں نقصان پہنچا سکے۔ خُدا ہمارے ساتھ ہے۔ دُشمن ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ ذرا حوصلہ سے کام لیجیے۔ خُدا کی رحمت پر نظر کیجیے۔"

مہ رخ نے سر ہلایا اور بولی۔ "بیٹا تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔ مگر ظاہری طاقت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

”آپ بالکل فکر نہ کریں۔“ اسد نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ”اب میں تنہا نہیں ہوں۔ اُستاد مکر و عیّاری اور جادُوگروں کے شوقین شکاری جناب عُمرو یہاں تشریف لا چکے ہیں۔ افراسیاب اور اُس کی طِلسمی طاقت کا خاتمہ ہمارے لیے اب آسان ہو گیا ہے۔“

”شاباش بٹیا شاباش“ ملکہ مہ رخ شہزادہ اسد کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولی۔ ”تم واقعی شیر دل ہو۔ یہ باتیں میں نے صرف تُمہارا حوصلہ جانچنے کے لیے کہی تھیں۔ ورنہ میں پہلے سے یہ طے کر کے آئی ہوں کہ مرتے دم تک افراسیاب کا مقابلہ کروں گی۔ ویسے میں نے نجُوم کے ذریعے یہ بھی معلوُم کر لیا ہے کہ افراسیاب تمہارے ہی ہاتھوں ہلاک ہو گا اور اس طِلسم کو بھی نیست و نابود کرو گے۔“

شہزادہ اسد کی ہمت بندھانے کے بعد مہ رُخ شہزادی مہ جبین کی طرف متوجّہ ہو گئی۔ شہزادی آنکھوں میں آنسو بھر کر اُسے اپنی آپ بیتی سُنانے لگی۔ عُمرو چادر اوڑھے سب کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا۔

اُسے اندیشہ تھا کہ مہ رُخ نے دھوکا دینے کے لیے شہزادے اور شہزادی سے محبّت جتا رہی ہے۔ انہیں گرفتار کرنے کا کوئی منصوبہ دل ہی دل میں بنا رہی ہے، اِسی اندیشے کے سبب وہ چوکنّا اور رُوپوش رہا۔ دل آرام کب کی آ کر شہزادی کے پہلو میں کھڑی ہو گئی اور شہزادی کی باتوں کے درمیان کہیں کہیں لُقمہ دیتی جاتی تھی۔

یہ سلسلہ جاری تھا کہ افراسیاب کا بھیجا ہوا ایک جادُوگر، راہدار جادُو، نہ جانے کہاں سے اچانک وادی میں داخل ہو گیا۔ ملکہ مہ رُخ سحر چشم کو دیکھتے ہی اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُسے مخاطب کرتے ہوئے وہ چلّایا۔

"او غدّار! ہوشیار ہو جا۔ میں تجھے پُوری پُوری سزا دوں گا۔ شاہی مجرموں سے میل ملاپ کرتے تجھے انجام کی بالکل پروانہ ہوئی؟"

"خاموش او بے لگام۔ لے سنبھال اپنی اِس بے ادبی کا انعام۔" ملکہ مہ رُخ نے تڑپ کر اُٹھتے ہوئے کہا اور ایک فولادی گولا جھولی سے نکال منتر پڑھ کر اُس کی طرف پھینک دیا۔ کچھ دُور جا کر گولا پھٹا تو اس میں سے سینکڑوں آتشیں سانپ نکل کر لہراتے بل کھاتے، زبانیں لپلپاتے، راہدار جادُو کی

طرف بڑھتے گئے۔ لیکن قبل اِس کے کہ وہ اُس تک پہنچتے، راہدار نے جھولی میں ہاتھ ڈال کر ایک چُٹکی خاک کی اُن کی طرف پھینک دی۔ دم کے دم میں سارے آتشیں سانپ پانی کے قطرے بن گئے اور گر کر زمین میں جذب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ملکہ مہ رُخ بپھر گئی۔ دوسرا وار کرنے کے ارادے سے آہستہ آہستہ راہدار جادُو کی طرف بڑھنے لگی۔ دل آرام بھی جوش میں آکر مہ رُخ کے ساتھ قدم اٹھانے لگی۔ راہدار جادُو کچھ دیر جوں کا توں کھڑا رہا لیکن جیسے ہی مہ رخ اور دل آرام نے ایک جگہ رُک کر اپنی اپنی جھولیوں کی طرف ہاتھ بڑھایا، اُس نے ایک چھلانگ لگائی اور زمین پر قدم رکھنے سے پہلے ایک چُٹکی خاک کی نِکال کر مہ رُخ اور دِل آرام کی سمت پھُونک دی۔ دونوں کی دونوں ایک ساتھ بے ہوش ہو کر دھڑام سے زمین پر گر پڑیں۔ شہزادہ اسد جو ایک طرف کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا یہ رنگ دیکھ کر تلوار نکال راہدار جادُو کی طرف دوڑ پڑا۔ راہدار جادُو نے فوراً منتر پڑھ کر اسد کی سمت پھُونک ماری۔ اسد جس جگہ اور جِس حالت میں تھا، اُسی جگہ اور اُسی حالت میں رہ گیا۔ راہدار جادُو نے فاتحانہ قہقہہ بلند کیا اور شہزادی مہ جبین سمیت سب کو طلِسمی جال میں لپیٹ

کر لے چلا۔ اب عُمرو کی باری تھی۔ جو نہی راہدار جادُو نے اُس کی طرف پیٹھ کی۔ اُس نے چادر اُتاری، آٹھ نوک والا ترشا ہُوا وزنی پتھر گو پھن میں رکھ کر گھُمایا اور راہدار جادُو کے سر کا نشانہ باندھ کر پُکارا:

"اے بھائی جادُو گر ذرا ٹھہرنا۔"

راہدار جادُو یہ آواز سن کر حیرت کے ساتھ پیچھے مُڑ کر دیکھنے لگا۔ اِسی لمحے عُمرو کا پھینکا ہوا پتھر ٹھیک اُس کی پیشانی پر آ کر لگا اور تڑاخ کی زور دار آواز کے ساتھ اُس کی کھوپڑی کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ بھیجا اُڑ کر بکھر گیا۔ وہ جال جس میں اُس نے سب کو لپیٹ رکھا تھا، اُس کے کندھے سے گِر کر کھُل گیا۔ شہزادہ اسد، مہ جبین کو سنبھال کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ دِل آرام اور مہ رُخ بے ہوش پڑی رہیں۔ اچانک شور و ہنگامہ راہدار جادُو کے مرنے کا بُلند ہُوا۔ خوفناک آندھی اور تاریکی چھانے لگی۔ اِسی لمحے مہ رُخ ہوش میں آ گئی۔ اِرد گرد زبردست ہڑبونگ دیکھ کر اُس نے منتر پڑھ کر تالی بجائی۔ آناً فاناً شور و ہنگامہ ختم ہو گیا۔ آندھی اور تاریکی غائب ہو گئی۔ سب سے پہلے اُس کی نظر راہدار جادُو کی لاش پر پڑی اور پھر فوراً ہی اُس نے عُمرو کو دیکھا۔ وہ اُسے

پہچانتی نہ تھی۔ سمجھی کہ راہدار جادُو کا کوئی ساتھی ہے اور اُس کی مدد کو آیا ہے۔ عُمرو کو گھورتے ہوئے اُس نے ارادہ کیا کہ منتر پڑھ کر اُسے گرفتار کر لے۔ عُمرو اُس کا ارادہ بھانپ گیا۔ پھُرتی کے ساتھ پینترا بدلتے ہُوئے اُس نے زنبیل سے سفوفِ بے ہوشی نکالا۔ اور مہ رخ کے مُنہ پر پھینک مارا۔ شہزادہ اور شہزادی ''ہائیں۔ ہائیں؟'' کہتے رہ گئے، مہ رُخ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ عُمرو چادر اُوڑھ کر پھر غائب ہو گیا۔

شہزادہ اسد، ملکہ مہ رخ کو اور شہزادی، دل آرام کو ہوش میں لانے کے لیے اُن کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگے۔ جلد ہی دونوں ہوش میں آ گئیں۔ ملکہ مہ رُخ نے اٹھتے ہوئے شہزادے سے حیرت کے ساتھ پوچھا۔ ''بیٹے! یہ سب کیا ہے؟''

''اب فکر کی ضرورت نہیں۔'' شہزادہ اسد اُسے تسلّی دیتے ہوئے بولا۔ ''راہدار جادُو آپ کو اور دل آرام کو بے ہوش کرنے کے بعد ہم سب کو باندھ کر لے چلا تھا۔ دادا جان نے اُسے مار کر ہم سب کو چھڑا لیا۔ آپ انہیں دُشمن

سمجھ کر گرفتار کرنا چاہتی تھیں، اس لیے انہوں نے آپ کو بھی بے ہوش کر دیا تھا۔"

ملکہ نہ رخ یہ سن کر مُسکرائی اور بولی۔ "بڑے کمال کے ہیں تمہارے دادا جان۔ مگر گئے کہاں؟ بلاؤنا اُنہیں۔"

"وہ یہیں کہیں چھُپے ہوئے ہیں۔" شہزادہ اسد نے ہنستے ہوئے کہا "ہمارے بلائے نہ آئیں گے۔ آپ ہی پُکاریے۔"

یہ سُن کر ملکہ مہ رُخ نے اونچی آواز سے کہا۔ "اے شہنشاہ عیّاراں و قاتل جادُوگراں! میں آپ سے ملنے کی مُشتاق ہوں۔ مہربانی کر کے پردہ ہٹایئے اور سامنے آجایئے۔"

"درخواست منظور ہے۔" عُمرو نے قریب سے جواب دیا۔ "مگر ہم خالی خُولی مہربانی کسی پر نہیں کرتے۔ منہ دکھائی پیش کرو تو جلوہ دکھائیں۔"

دل آرام، شہزادی مہ جبین اور اسد یہ سُن کر کِھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ ملکہ مہ رُخ نے مسکراتے ہوئے اپنا قیمتی ہار اور جڑاؤ کنگن اتارے اور آواز کی سمت میں بڑھاتے ہوئے بولی۔ "لیجیے مُنہ دکھائی حاضر ہے۔"

عُمرو نے زیورات ملکہ کے ہاتھ سے لے کر زنبیل میں ڈالے اور چادر اُتار کر ملکہ کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ملکہ مہ رُخ نے سر سے پیر تک کئی بار بڑے غور سے عُمرو کو دیکھا۔ اُس کا اچھُور جیسا چہرہ، سینک سلائی ہاتھ پیر اور بے ڈول قد اُسے ایک آنکھ نہ بھایا۔ اُس نے شہزادے سے کہا۔ "بیٹا! تُم کہتے ہو تو مانے لیتی ہوں مگر دل کو نہیں لگتی کہ یہ حضرت ہنسنے ہنسانے کے علاوہ بھی کِسی کام کے ہیں۔"

"ملکہ صاحبہ!" عُمرو نے کہا۔ "میرے دبلے پتلے جسم اور سوکھے ہوئے چہرے پر نہ جایئے۔ میری کھوپڑی پر نظر کیجیے۔ اِس کے اندر عقل و حکمت کے علاوہ بھیجا نام کو نہیں ہے۔ جو کام بڑے بڑے جغادری پہلوان اور پہاڑ تن دیو نہیں کر سکتے، وہ آپ کا یہ خادم اِشارے سے کر دیتا ہے۔ سُنی سُنائی باتوں پر یقین نہ آیا ہو تو آنکھوں سے دیکھ لیجیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ افراسیاب کا بھیجا ہُوا دوسرا خطرناک ساحر فولاد جادُو وادی میں آ داخل ہوا اور سب کو للکارنے لگا۔ ملکہ مہ رخ عُمرو سے بولی۔

”اے حضرت! یہ مُوا جادُوگر ہم سب کو للکار رہا ہے۔ راہدار جادُو کو آپ نے کِس طرح ہلاک کیا، یہ میں نے نہیں دیکھا۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ اِس کے مقابلے پر جائیں اور اپنا کمال ہمیں دکھائیں۔“

”یہ کیا بڑی بات ہے۔“ عُمرو نے فخر سے سینہ تان کر کہا۔ ”اِسے تو میں یوں چُٹکی میں مسل دُوں گا۔ جیسے مچھّر۔ ذرا غور سے دیکھیے۔“ یہ کہہ کر عُمرو اچھلتا کودتا، ناچتا، تھرکتا فولاد جادُو کے سامنے جا پُہنچا۔

فولاد جادُو اُس کی یہ حرکتیں دیکھ کر پہلے تو ہنسا پھر جھولی سے ناریل نکال کر عُمرو پر وار کرنے کی نیّت سے منتر پڑھنے لگا۔ عُمرو بھی منہ چڑاتے ہوئے اُس کی نقل اُتارنے لگا اور زنبیل سے ایک لٹو نکال کر اُسے دکھاتے ہوئے بُدبُدانے لگا۔ فولاد سمجھا کہ وہ بھی کوئی بڑا جادُوگر ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ ناریل والا حربہ کرے یا کوئی دُوسرا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عُمرو چلّایا۔ ”دُودھ بخشوا لے۔ وہ دیکھ تیری ماں پیچھے کھڑی تجھے بُلا رہی ہے۔“

فولاد گردن گھما کر اپنے پیچھے دیکھنے لگا لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ غصّے میں آ کر اُس نے عُمرو کی طرف گردن گھمائی۔ اِسی موقع پر عُمرو نے سفوف بے ہوشی

اُس کے منہ پر کھینچ مارا۔ فولاد کو ایک زور دار چھینک آئی اور پھر وہ بے سُدھ ہو کر زمین پر گر گیا۔ عُمرو اُس کے سینے پر جا سوار ہوا اور آناً فاناً اُس کا قصّہ تمام کر دیا۔ فولاد کا دم نکلتے ہی زبردست شور بلند ہوا۔ تُند و تیز آندھی چلنے لگی۔ اندھیرا چھانے لگا۔

یہ دیکھ کر ملکہ مہ رخ نے منتر پڑھ کر تالی بجائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا ہنگامہ ختم ہو گیا۔

جس آسانی سے عُمرو نے فولاد جادُو کا خاتمہ کر دیا تھا، اُسے دیکھ کر ملکہ مہ رخ عش عش کر اُٹھی۔ اس نے عُمرو سے معافی مانگی کہ وہ اسے حقیر سمجھتی تھی اور دل کھول کر اُس کی عیّاری اور پھرتیلے پن کی تعریف کی۔ چند لمحے بعد دل آرام بلندی پر جا کر چوکسی کرنے لگی اور سب لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد دل آرام کو ایک سمت سے زبردست غُبار قریب آتا دکھائی دیا۔ ساتھ ہی لاتعداد ڈھول نفیریوں اور قرناؤں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ وہ ملکہ مہ رخ کو آواز دے کر کہنے لگی "ملکہ صاحبہ! ہوشیار ہو جائیے۔ ایک زبردست لشکر ہماری جانب بڑھا چلا آ رہا ہے۔"

یہ سنتے ہی سب لوگ بھاگم بھاگ دل آرام کے پاس جا پُہنچے۔ اِس عرصے میں غُبار تھم چکا تھا۔ سب نے غور سے دیکھا۔ چوبیس ہزار جادُوگر آگ اُگلتے، اژدھوں پر سوار جوش و خروش سے بڑھ چلے آ رہے تھے۔ سب سے آگے ایک آتشیں ہنس پر ایک خُوب صُورت اور نوجوان جادُوگر سوار تھا۔ اُس کے دائیں جانب ایک مور پر جڑاؤ زیور پہنے ایک بوڑھی جادُوگرنی بیٹھی تھی۔ اُن کے پیچھے کئی آتشیں ہاتھیوں کی پیٹھ پر لمبا چوڑا ہودا بندھا ہوا تھا جس کے بیچ میں ایک زرنگار چھتری کے نیچے ایک جڑاؤ تخت بچھا ہوا تھا۔ تخت کے ارد گرد درجنوں کنیزیں اور خادمائیں زرق برق لباس پہنے ہاتھوں میں مور چھل اور پنکھے لیے کھڑی تھیں مگر تخت خالی تھا۔ یہ دیکھ کر مہ جبین کے علاوہ ہر ایک کے چہرے پر فکر کی لکیری اُبھر آئیں۔ مہ رُخ کا چہرہ خُوشی سے تمتمار ہا تھا۔

ہنس پر سوار نوجوان جادُوگر کی طرف اُنگلی اٹھاتے ہوئے اُس نے کہا۔ ”وہ میرا بیٹا شکیل جادُو ہے۔ اِس کے برابر مور پر میری والدہ ماہ جادُو ہیں۔ وہ تخت میرا ہے۔ یہ سارا لشکر ہماری مدد کو آیا ہے۔“

یہ سن کر سب کے چہرے کِھل اُٹھے۔ ہاتھ ہِلا ہِلا کر وہ آنے والوں کا استقبال کرنے لگے۔

مہ رخ ایک اُونچی چٹان پر جا کھڑی ہوئی۔ وہاں سے اُس نے لشکر کو اپنی جگہ رُک جانے اور شکیل جادُو کو آڑ کر قریب آنے کا حکم دیا۔ شکیل جادُو حاضر ہو گیا تو اُس نے سب سے اُس تعارف کروایا۔ پھِر اس نے حکم دیا۔

"شاہی خیمے اِس وادی میں لگوائے جائیں اور لشکر کو اِس وادی کے چاروں طرف ٹھہرایا جائے۔"

شکیل جادُو نے یہ احکام سُن کر سر جھکایا اور ہنس پر اُڑتا ہُوا لشکر میں واپس جا پہنچا۔ چند گھنٹے بعد وہ وادی ایک شاہی قیام گاہ میں اور اِرد گرد کی پہاڑیاں ایک مضبوط فوجی قلعے میں تبدیل ہو گئیں۔ آخر میں ملکہ مہ رخ سحر چشم نے تختِ شاہی کو خیمہ دربار میں لگایا اور تمام وزیر اور امیروں کو طلب کر کے کہا۔

"اب تک میں اِس تخت پر بیٹھ کر تم پر حکومت کرتی تھی مگر اب ہماری خوش قسمتی سے فاتح طلِسم یہاں آ پہنچا ہے اور ہمارے درمیان موجود ہے۔ آج سے

میں یہ تخت اُس کے حوالے کرتی ہوں۔ اُس کی اطاعت کا اعلان کرتی ہوں۔ کیا تم لوگ میری طرح خُوشی سے اُس کی فرماں برداری کرو گے۔"

سارے درباری ہاتھ اُٹھا کر چلّائے۔ "کریں گے۔ مرتے دم تک کریں گے۔"

ملکہ شہزادہ اسد سے مخاطب ہوئی۔ "تخت پر تشریف لے چلیے۔ میں اپنے ہاتھوں آپ کر تاج پہناؤں گی۔"

یہ کہہ کر ملکہ نے اس وزیر کو قریب آنے کا اشارہ کیا جو ایک سونے کے طشت میں ہیروں جڑا خُوب صُورت تاج لیے کھڑا تھا۔

شہزادہ اسد نے ملکہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "تخت پر بیٹھنا میرا منصب نہیں۔ میری جانب شہزادی مہ جبین یہ ذمّہ داری سنبھالے گی۔"

آخر شادی مہ جبین کو تخت پر بٹھایا اور تاج پہنایا گیا۔ اُس نے کھڑے ہو کر امیر حمزہ کی اطاعت کا اعلان کیا۔ کچھ دیر تحفے اور نذرانے پیش کیے جاتے رہے۔ اِس کے بعد جشن کا غُلغُلہ بلند ہوا۔ نہ صرف وادی بلکہ ارد گرد کے سارے پہاڑ راگ رنگ کی لہکار سے ساری رات گونجتے رہے۔

دوسرے دن دربارِ خاص منعقد ہوا۔ صلاح و مشورہ کے بعد دل آرام کو بادشاہ یعنی مہ جبین الماس پوش کا مصاحب خاص مقرر کیا گیا۔ شہزادہ اسد کو سپہ سالار لشکر بنایا گیا۔ مہ رُخ سحر چشم کو وزارت عطا ہوئی۔ عُمرو بادشاہ کا مشیرِ خاص ٹھہرا۔ اُسے یہ اختیار بھی دیا گیا کہ اگر بادشاہ اُس کے مشورے پر عمل نہ کرے تو وہ اسے تخت سے اُتار سکتا ہے۔

اب یہ صلاح ٹھہری کہ لشکر کی تعداد بڑھائی جائے۔ جادُوگروں اور جنگجو سپاہیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھرتی کیا جائے۔ لیکن ایسا کِس طرح کیا جائے کہ اِس کے بارے میں وہ کوئی ٹھوس پروگرام نہ طے کر سکے۔ بلکہ مہ رخ کے خزانوں کے سبب دولت کی تو کوئی کمی نہ رہی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ پہاڑوں کے آس پاس آبادی بہُت کم تھی۔ ان بستیوں سے ضرورت کے مطابق آدمی نہ مل سکتے تھے۔ طلِسم ظاہر کے علاقے بے شک گنجان آباد تھے۔ پر وہ شاہ افراسیاب کے زیرِ حکومت تھے۔ وہاں جانا اور لوگوں کو آمادہ کر کے اپنی چھاؤنی میں بھیجنا نازک کام تھا۔ ماہر عیّاروں کی نگرانی اور ہدایات کے بغیر دشمن کے علاقے میں یہ کام پوری احتیاط کے ساتھ انجام نہ دیا جا سکتا

تھا۔ عُمرو نے فیصلہ کیا کہ جب تک میرے شاگرد یہاں نہیں پہنچ جاتے اُس وقت تک یہ مہم کھٹائی میں ڈال دی جائے۔

اِتفاق سے دوسرے ہی دِن لشکر گاہ کے محافظوں نے چار اجنبی آدمیوں کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا۔ وہ مہتر قِران، جاں سوز بن قِران، ضرغام شیر دل اور برق فرنگی تھے۔ عُمرو سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے بعد میں وہ ایک ایک کر کے پہاڑوں کے قریب پہنچے تھے اور پہرے داروں کے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ عُمرو نے انہیں پہچانتے ہی قید سے رہائی دلائی۔ بادشاہ اور تمام اہلِ دربار سے ان کا تعارف کرایا۔ شہزادہ اسد اُن سے بغل گیر ہوا۔ بادشاہ نے اُنہیں خلعت اور انعام سے نوازا اور عُمرو نے اُنہیں اپنا نائب مقرر کیا۔

اِس کے بعد عُمرو، ملکہ مہ رخ اور ان چاروں عیّاروں کی ایک علیٰحدہ خیمہ میں میٹنگ ہوئی۔ طے پایا کہ مقامی لوگوں کے چار جتھّے چاروں عیّاروں کی ماتحتی میں طلِسم ظاہِر کے مختلف شہروں میں جا کر قیام کریں اور وہاں کے لوگوں کو افراسیاب کے خلاف بغاوت پر اُکسائیں۔ جو لوگ بے روزگار ہوں، قسمت

آزمائی کا شوق رکھنے ہوں یا افراسیاب کے مظالم کا انتقام لینا چاہتے ہوں، انہیں اپنے ساتھ ملالیں اور فوج میں بھرتی ہونے پہ آمادہ کر کے چھاؤنی میں بھیجتے رہیں۔

ایک دن تو تیّاریوں اور ساتھیوں کے اِنتخاب میں گزرا۔ دوسرے دن چاروں عیّار ہر طرح سے لیس ہو کر اپنے جتھّوں سمیت مختلف شہروں کو روانہ ہو گئے۔ ہر شہر میں پُہنچ کر وہ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں الگ الگ محلوں میں جا بسے۔ دیکھنے میں کوئی دست کار تھا، کوئی تاجر کوئی سادھو تھا، کوئی بھکاری۔ کوئی پنڈت بنا ہوا تھا، کوئی مداری۔ کوئی جوہری نظر آتا تھا اور کوئی نجومی۔ مگر سب وہی کام کرتے تھے جس کے لیے آئے تھے۔ کبھی کبھی وہ آپس میں ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے رہتے تھے اور جو طریقہ مقرر کیا گیا تھا اس کے مُطابق پابندی کے ساتھ اپنے عیّار سردار سے صلاح مشورہ کرتے رہتے تھے۔

چند ہی دنوں بعد ہر شہر سے چھاؤنی کی طرف جانے والوں کا تار بندھ گیا۔ شہزادہ اسد کی فوج میں دن دونا رات چوگنا اضافہ ہونے لگا۔ لیکن جیسا کہ

قاعدہ ہے، دنیا کا کوئی بھی راز زیادہ عرصے تک چھُپا نہیں رہ سکتا۔ کُچھ عرصہ بعد یہ بات طِلسم ظاہر کی ساری بستیوں میں پھیل گئی کہ افراسیاب کا ستارہ گردش میں ہے۔ شہزادہ اسد اس کے خاتمے کے لِیے آ پُہنچا ہے۔ پہاڑوں پر اُس نے مکمل قبضہ کر لیا ہے اور آگے بڑھنے کے لیے زبردست فوج تیّار کر رہا ہے۔ مختلف شہروں میں اس کے آدمی مقامی لوگوں کو بھرتی کر رہے ہیں۔

پہلے تو یہ باتیں صِرف کانوں میں ہوا کرتی تھیں، پھر انہوں نے عام افواہوں کی شکل اختیار کر لی۔ آخر افراسیاب کے جادُوگروں نے کان کھڑے کیے۔ جاسوسوں کا ایک جال ہر طرف پھیلا دیا گیا۔ اجنبی آدمیوں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ یہ حالات دیکھ کر چاروں نامور عیّار اپنے ساتھیوں کو تو بچا کر نکال لے گئے، لیکن افراسیاب کے جاسوسوں کو یہ بات ضرُور معلوم ہو گئی کہ سُنی جانے والی افواہیں سو فی صد درست ہیں۔ اُن سب نے تمام حالات شہنشاہ افراسیاب کو لکھ بھیجے۔

افراسیاب کو راہدار جادُو اور فولاد جادُو کی ہلاکت کا تو علم ہو چکا تھا مگر اُسے یہ اندازہ نہ ہوا تھا کہ پانی سر سے اتنا اُونچا ہو چکا ہے۔ طِلسم ظاہر کے جاسوسوں کی

رپورٹیں پڑھ کر اُس کی آنکھیں کھُل گئیں اور حالات جاننے کے خیال سے اُس نے کتابِ سامری کھول کر دیکھی۔ اب جا کر اُسے پتا چلا کہ اُس کے مقابلے پر شہزادی مہ جبین کو بادشاہ بنایا جا چکا ہے۔ چالیس ہزار سے زیادہ جادُوگروں اور جنگ جوؤں کا لشکر تیار کیا جا چکا ہے۔ پہاڑوں پر اُن کی مکمل حکُومت ہے۔ سارے طلِسم ظاہر میں اُن کی ہیبت چھائی ہوئی ہے اور ان ساری خرابیوں کی ذمّہ دار اُس کی چہیتی ملکہ حیرت جادُو کی عزیز، ملکہ مہ رُخ سحر چشم ہے۔

طاقت کے ذریعے اِس معاملے سے نپٹنے کا ایک ہی طریقہ تھا یعنی بڑے پیمانے پر فوج کشی کی جائے۔ دوسرا طریقہ خُون اور رشتے کے نام پر صُلح صفائی کا تھا۔ افراسیاب نے اِسی دُوسرے طریقے کو آزمانا پسند کیا۔ ایک خط اپنے ہاتھ سے اُس نے ملکہ حیرت جادُو کے نام لکھا۔ سارے حالات تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اُسے ہدایت کی کہ وہ ملکہ مہ رُخ سحر چشم کو سرکشی سے توبہ کرنے اور مہ جبین سمیت باغیوں کا ساتھ چھوڑنے کی تاکید کرے۔ مان جائے تو ٹھیک ورنہ پھر اُس پر چڑھائی کرنے کے لیے تیاری کرے۔

شہر ناپُرساں میں ملکہ حیرت جادُو کو افراسیاب کا خط مِلا۔ اس نے ہدایت کے مطابق ملکہ مہ رخ کو ہموار کرنے کے خیال سے ایک خط لکھا۔ پھر جادُو کے زور سے ایک رنگا رنگ پرندہ پیدا کیا اور اُسے حکم دیا کہ یہ خط لے جا کر طلِسم ظاہر کے پہاڑوں میں ملکہ مہ رخ کو پہنچا دے۔ خط ملا تو اُس نے پڑھ کر عُمرو کے حوالے کر دیا۔ اُس میں رشتے کے واسطے سے لے کر لالچ اور دھمکی تک ہر طرح کی باتوں سے مہ رُخ کے افراسیاب کی اِطاعت کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ مہ رُخ یہ خط پڑھ کر پریشان ہو گئی تھی مگر عُمرو غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ جواب میں اس نے ایک خط اپنی جانب سے ملکہ حیرت جادُو کے نام کا لفافے میں بند کر کے طلِسمی پرندے کے حوالے کر دیا۔ پرندے نے لفافے کو چونچ میں دبایا اور جا کر ملکہ حیرت جادُو کے پاس پہنچایا۔

عُمرو نے خط میں لکھا تھا۔ ”اے ملکہ حیرت جادُو! تُو نے ملکہ مہ رُخ سحر چشم کو جو بکواس لکھ بھیجی ہے، اِس سے تُو نے اپنی قبر آپ کھوری ہے۔ شاید تُو نے نادانی کے سبب اِس بات کو اہمیت نہیں دی کہ ملکہ مہ رُخ سحر چشم اب تیری زیر دست نہیں بلکہ اُس بادشاہ عالی جاہ کی وزیر اعظم ہے جو کُل طلِسم ہوش رُبا

کی حقیقی شہنشاہ ہے، جو کل تک شہزادی مہ جبین کہلاتی تھی مگر آج مالک تخت و تاج ہے۔ جس کا سپہ سالار فاتح جہاں امیر حمزہ صاحب قِران کا نواسہ ہے اور مُجھ جیسا بے مثال عیّاروں کا مشیر خاص ہے۔"

"جان لے! میرا نام عُمرو ہے۔ امیر حمزہ کے دوست کی حیثیت سے ساری دنیا میں میرا شہرہ ہے۔ میں وہ ہوں جِس کا کوئی ہمسر نہیں۔ میں وہ ہوں جِس کے کاٹے کا کوئی منتر نہیں۔ دشمن کے مقابلے سے کسی حالت میں مُنہ نہیں موڑتا۔ جسے تاک لُوں کبھی نہیں چھوڑتا۔ ڈیل ڈول اور طاقت کا غرور میرے مقابلے میں لاچار ہے۔ جادُو ٹونا میرے آگے بیکار ہے۔ سامری کی پوتی دمامہ جادُو جیسی ساحرہ کو میں نے زندہ جلا کر ناک کیا۔ جادُوگروں کے سب سے بڑے اُستاد شمس دریائی کو میں نے ہی ہلاک کیا۔

اگر کچھ دِنوں عزّت و آبرو کے ساتھ جینے کی خواہش ہے تو شہزادہ بدیع الزّمان اور شہزادی تصویر جادُو کو، جو کہ تیری حراست میں ہیں، ساتھ لے کر حاضر ہو جا۔ تیرے حق میں مُمکن سفارش کی جائے گی۔ لیکن اگر تُو نے سرکشی پر کمر

باندھی تو یاد رکھ! تیرا سارا غرور خاک میں ملا دیا جائے گا۔ ناک چوٹی کاٹ کر اور منہ کالا کر کے تجھے شہر شہر پھِرایا جائے گا۔“

عُمرو کا یہ خط پڑھ کر ملکہ حیرت جادُو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جوش میں آ کر اُس نے شہر ناپُرساں سے ڈیرا اُٹھایا اور شہنشاہ افراسیاب کی سمت روانہ ہو گئی۔

آہن جادُو

افراسیاب دریائے خُون رواں کے اُس پار طلِسم باطن کے باغِ سیب میں تھا ملکہ مہ رخ سحر چشم کا معاملہ جاننے کے لیے وہ ملکہ حیرت جادُو کے خط کا انتظار کر رہا تھا کہ حیرت جادُو خُود پُہنچ گئی۔ افراسیاب نے آنے کا سبب پوچھا تو حیرت نے عُمرو کا خط اُس کے سامنے کر دیا۔ خط پڑھتے ہی افراسیاب کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ ہونٹ چباتے ہوئے وہ بولا۔

”ملکہ! اب مُجھ سے مہ رُخ کی سفارش نہ کرنا۔ تُمہاری خالہ ہونے کی وجہ سے میں نے ہمیشہ اِس سے رعایت کی ہے لیکن اب میرے صبر کا پیمانہ بھر چکا ہے۔ وہ غدّار ہے۔ اُس نے میرے دشمنوں سے ساز باز کی ہے۔ تُمہاری توہین کی ہے۔ میں اُسے عبرتناک سزا دُوں گا۔“

”خداوندِ نعمت!“ ملکہ حیرت نے ادب سے کہا۔ ”مہ جبین آپ کی بھتیجی ہے۔ اگر اُس کی محبّت حضُور کو سختی کرنے سے نہ روکتی ہو تو مہ رُخ کو میں چھوڑتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ افراسیاب نے کہا۔ ”آج سے نہ مہ جبین میری بھتیجی ہے نہ مہ رُخ تُمھاری خالہ۔ لاتوں کے بھُوت باتوں سے نہیں مانتے۔ میں ابھی اُنہیں سزا دینے کے لیے ایک زبردست فوج بھیجتا ہوں۔“

یہ کہہ کر افراسیاب نے کچھ پڑھ کر تالی بجائی۔ اکبارگی آسمان پر کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ گرج کے ساتھ زور زور سے بجلیاں چمکنے لگیں۔ آتش بازی کی برسات ہونے لگی۔ پھر ایک زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ ابر پھٹ گیا۔ ایک ے تخت اُس میں سے بر آمد ہوا اور تیزی کے ساتھ ہُوا افراسیاب کے سامنے فرش پر آ ٹھہرا۔ تین ہیبت ناک جادُوگر اُس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تخت کے زمین پر ٹکتے ہی تینوں جادُوگر اُس سے اُترے اور افراسیاب کے آگے ادب سے جھُک گئے۔ تینوں نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

”ہم حاضر ہیں آقا! حکم فرمایئے۔“

"ملکہ!" افراسیاب نے ملکہ حیرت سے کہا۔ "یہ جاموش جادُو ہے۔ یہ شہباز جادُو ہے۔ یہ کوہان جادُو ہے۔ یہ تینوں میرے وفادار ساحر ہیں۔ آج تک کسی مُہم سے ناکام واپس نہیں آئے۔"

اپنی یہ تعریف سُن کر تینوں جادُوگروں نے جھک کر ملکہ کو سلام کیا۔ ملکہ نے ابرُو کے اشارے سے جواب دیا۔ افراسیاب نے انہیں حکم دیا۔ "تُم لوگ اِسی وقت واپس جاؤ۔ ساٹھ ہزار تجربہ کار جادُوگروں کا لشکر ساتھ لو اور آندھی طوفان کی طرح جا کر مہ رُخ اور عُمرو کے لشکر پر ٹوٹ پڑو۔ یاد رکھو! ایک بھی باغی بچ کر نہ جانے پائے۔ جو قتل ہونے سے بچ جائے گرفتار کر لینا۔ جو گرفتار نہ ہو سکے، بے دریغ قتل کر دینا۔"

"حکم کی تعمیل کی جائے گی۔" تینوں جادُوگروں نے ایک ساتھ ادب سے کہا اور سلام کر کے جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس ہو گئے۔

اُدھر طلِسم ظاہر کے شہروں سے واپس آنے والے عیّاروں کے بیان سے عُمرو اور مہ رخ کو اندازہ ہو چُکا تھا کہ افراسیاب اُن کی بغاوت اور لشکر کشی سے با

خبر ہو چکا ہے، رہا سہا شک ملکہ حیرت کے خط سے دُور ہو چکا تھا۔ اور عُمرو نے اُس کا جو جواب دیا تھا اِس سے اُنہیں یقین ہو گیا تھا کہ غصّے میں آ کر افراسیاب جلد ہی کوئی فوج ان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے گا۔ چنانچہ اسد نے سارے لشکر کو ہر وقت چوکنّا رہنے کا حکم دے دیا تھا۔ میدانِ جنگ مُقرّر کر لیا گیا تھا۔ دمدمے اور مورچے تیّار کر لیے گئے تھے۔ اہم مقامات پر سپاہیوں کے دستے مُقرّر کر دیے گئے تھے۔ جاسوس اور خبر رساں دُور دُور تک پھیلا دِیے گئے تھے۔ اِن سب باتوں کے ساتھ ملکہ مہ رُخ نے جادُو کے کچھ ایسے پرندے بھی آسمان پر اُڑا رکھے تھے جو دریائے خونِ رواں پار کر کے آگے تو نہ جا سکتے تھے مگر بُلندی پر اُڑتے ہوئے طلِسم باطن کی حدُود پر نظر ضرُور رکھتے تھے۔

ہر روز جب مہ جبین الماس پوش دربار لگاتی، جاسُوس، پہرے دار، سردار اور اہل کار اپنی رپورٹیں پیش کرتے۔ اسد، عُمرو اور مہ رُخ اُن پر غور کرتے، کوتاہیوں کی نشاندہی کرتے۔ کار گُزاریوں کی تعریف کرتے اور آیندہ کے لیے احکام جاری کرتے۔

ایک دن جاسوسوں کا افسر عُمرو کے سامنے سب خیریت ہے قسم کی رپورٹ پڑھ کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک ست رنگا کبُوتر اُڑتا ہوا آیا اور مہ رخ کے کاندھے پر بیٹھ کر غٹر غُوں غٹر غُوں کرنے لگا۔

عُمرو اور اُس کے چاروں شاگرد عیّاروں نے یہ دیکھ کر کان کھڑے کیے۔ اسد چوکس ہو بیٹھا۔ دل آرام اور مہ جبین نے مہ رُخ کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔ مہ رخ کے چہرے پر جوش کی سُرخی دوڑنے لگی تھی۔ تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔ نگاہوں میں سختی آ گئی تھی۔ چند لمحوں بعد اُس نے کبوتر کو اُڑا دیا اور اسد اور عُمرو سے کہنے لگی۔

"چالیس ہزار جادُوگروں کی فوج طِلِسم باطن سے دریائے خُونِ رواں کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔ دریا پار کر کے وہ ہماری ہی طرف رُخ کرے گی۔ افراسیاب کے نامی گرامی ساحر جاموش جادُو، شہباز جادُو اور کوہان جادُو اِس فوج کے سردار ہیں۔ ہمیں آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کرنا چاہیے۔"

سپہ سالار لشکر شہزادہ اسد کا سینہ جوش سے پھول گیا۔ تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر اُس نے مہ جبین سے اجازت طلب کی۔ مہ جبین نے اشارے سے

اُسے اجازت دے دی۔ اِس پر عُمرو اپنے چاروں شاگردوں کو ساتھ لے کر نکلا اور وہ لشکر گاہ اور میدانِ جنگ سے دُور جا کر جنگل میں الگ الگ رُوپوش ہو گئے۔ شہزادہ اسد دوسرے سرداروں کے ساتھ سپاہیوں کی صفوں اور مورچوں کی طرف چل دیا۔ ملکہ مہ رُخ جادُوگروں کے لشکر کو ترتیب دے کر آگے بڑھنے لگی۔

جاموش، شہباز اور کوہان جادُو کا لشکر طِلسمی اژدھے پر سوار تیز آندھی کی طرح اُڑا چلا آ رہا تھا۔ دریائے خُونِ رواں پار کرنے کے بعد اُس نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ یہ لشکر ابھی مہ رخ اور اسد کی نگاہوں سے اوجھل ہی تھا کہ بجلیوں، پتھّروں اور انگاروں کی ہولناک بارش اُنہیں تیزی کے ساتھ اپنی سمت بڑھتی دکھائی دی۔ اسد کے جنگ جُو سپاہی یہ آسمانی عذاب دیکھ کر مورچوں خندقوں اور چٹانوں کی اوٹ میں چھُپنے لگے۔

مہ رخ کے جادُوگر اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے زور زور سے بچاؤ کا منتر پڑھنے لگے۔ مہ رُخ سمجھ گئی یہ مُصیبت حملہ آور جادُوگروں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اپنے پُہنچنے سے پہلے وہ اِس طِلسمی بارش کے ذریعے میدان صاف کر دینا چاہتے

ہیں۔ اس نے فوراً ہی جھولی سے ایک انڈا نکالا۔ کچھ پڑھ کر اُس پر دم کیا اور پوری قوّت سے سامنے کے رُخ اچھال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس انڈے جیسے سینکڑوں ہزاروں انڈے پیدا ہو کر ہوا میں چکّر کھانے لگے۔ پھر تو عجیب تماشا ہوا۔ طلِسمی بارش کا جو پتھّر جو انگارا اور جو بجلی جیسا بان کسی انڈے سے ٹکراتا، انڈا اُسے اپنے چکّر میں لپیٹ کر واپس پلٹا دیتا۔ وہ سب جا کر اُنہی حملہ آور جادُوگروں کے سروں پر برسنے لگتے جو وہ مہ رُخ اور اُس کے لشکر پر برسا رہے تھے۔ پچاسوں حملہ آور جادُوگر اپنے ہی ہتھیاروں سے ہلاک ہو کر ٹپ ٹپ نیچے گِرنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر جاموش جادُو نے لشکر کو اپنی رفتار کم کرنے کی ہدایت دی۔ شہباز جادُو نے ساحروں کو طلِسمی بارش روک دینے کا حکم دیا۔ کوہان جادُو نے منتر پڑھ کر تالی بجائی۔ ہوا میں ناچتے ہوئے سارے انڈے ایک ایک کر کے پھٹنے اور غائب ہونے لگے۔

تینوں جادُوگر ایک ہی تخت پر سوار تھے۔ انڈوں کے تباہ ہوتے ہی اُنہوں نے اپنے لشکر کو نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ ملکہ مہ رُخ کی فوج اب اُن کی نِگاہوں کے سامنے تھی۔ جنگ کے لیے ایک مُناسب رقبہ درمیان میں خالی چھوڑ کر

دوسری سمت اُنھوں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ اُس رات اسد کے افسر ہر مورچے میں جا کر اپنے سپاہیوں کے دل بڑھاتے رہے اور دونوں جانب کے جادُوگر اپنے اپنے جادُو جگاتے رہے۔

جاموش جادُو نے فولاد کے چند گولے اور ماش کے آٹے کے چند پُتلے بنا کر اُنہیں حرام جانور کے خُون سے غُسل دیا اور اُنہیں اپنا مددگار ٹھہرایا۔ مہ رُخ سحر چشم نے آگ جلا کر اُس میں ایک گردن کٹا کوّا ڈال دیا۔ جب تک الاؤ سے گوشت اور پروں کے جلنے کی بُو آتی رہی ملکہ مہ رُخ بڑی توجّہ سے موم کی ایک گڑیا بناتی رہی۔ بُو ختم ہونے پر اُس نے گڑیا کے بازوؤں میں دو پَر لگائے اور اُسے سیندُور کے بنے ہوئے ایک دائرے میں رکھ دیا۔ کُچھ دیر تک وہ کوئی منتر پڑھتی رہی۔ دھوپ اور لوبان الاؤ پر ڈالتی رہی۔ دُھواں موم کی گڑیا کے گِرد چکّر کھاتا جاتا اور گڑیا بڑی ہوتی جاتی۔ ہوتے ہوئے وہ ایک پری بن گئی۔ مہ رُخ نے ایک مٹھّی میں پھول اُٹھائے اور پڑھ کہ پری کی طرف اُچھال دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پری کے بے جان مجسمے میں جان پڑ گئی۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر مہ رُخ سے کہا حکم کیجیے! موم پری حاضر ہے۔"

”آزمائش کا وقت آ پہنچا ہے۔“ مہ رخ نے کہا۔ ”اِس وقت جاؤ لیکن چوکنّا رہنا۔ اِشارہ مِلتے ہی آ جانا۔“

”موم پری نے یہ حکم سُن کر پھر ہاتھ جوڑے، الاؤ میں داخل ہوئی اور دُھواں بن کر غائب ہو گئی۔

صُبح ہوتے ہی میدانِ جنگ ڈھول تاشوں، نقّادوں اور نفیریوں کی چیخ و پکار سے گونجنے لگا۔ جے کاروں اور نعروں کی آوازیں زمین آسمان کو ہلانے لگیں۔ ایک جانب سے جاموش، شہباز اور کوہان جادُو اپنے ساحروں کے لشکر کو ترتیب دے کر آگے بڑھنے لگے۔ دُوسری جانب سے ملکہ مہ رُخ اور اُس کا بیٹا شکیل جادُو پیش قدمی کرنے لگا۔ اُن کے پیچھے شہزادہ اسد نے اپنے جنگ جُو سپاہیوں کی صفیں تیّار کیں اور مورچے مضبوط کیے۔

تھوڑی ہی دیر میں دونوں طرف کے جادُوگروں کے لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ شہباز جادُو ایک اژدھے پر سوار میدان میں آیا اور للکار کر کہنے لگا۔

”جو نہیں جانتا جان لے، جو نہیں پہچانتا پہچان لے۔ میرا نام شہباز جادُو ہے۔ باغیوں میں سے کسی کو میں اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ اگر کسی میں ہمّت ہے تو میرے سامنے آئے۔“

دشمن کی یہ للکار سُن کر ملکہ مہ رُخ کے جوش آ گیا۔ اُس نے اپنا تخت آگے بڑھایا۔ شہباز نے اُسے مقابلے پر دیکھتے ہی جادُو کا ایک تِیر اس پر چلایا۔ مہ رُخ نے ایک منتر پڑھ کر تالی بجائی۔ تیر آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کر کے اُلٹا پھر گیا۔ جھنجھلا کر شہباز نے جھولی سے ایک گولا فولاد کا نِکالا، پھُونک مار کر مہ رخ کی طرف اُچھالا مہ رُخ اُس کا توڑ نہ کر سکی۔ البتّہ خُود کو بچانے کے لِیے چھلانگ لگا کر ہوا میں اُڑی۔ گولا شُعلے کی لکیر چھوڑتا اُس کے تخت سے آ ٹکرایا۔ تخت کے پرخچے اُڑ گئے۔ لیکن عین اُسی وقت مہ رُخ بجلی کی تلوار بن کر شہباز کے اوپر گری اور اژدھے سمیت اُسے دو ٹکڑوں میں لکڑی کی طرح چیر گئی۔ آندھیاں چلنے لگیں۔ ہولناک صدائیں بُلند ہونے لگیں۔ مہ رُخ نے یہ دیکھ کر تالی بجائی ہنگامہ دم کے دم میں موقوف ہُوا۔

شہباز کی فوج نے مہ رُخ کو تنہا پا کے اُس پر یلغار کر دی۔ آتشیں اژدھوں اور سانپوں کی اُس پر برسات کر دی۔ شکیل جادُو یہ رنگ دیکھ کر اپنے جادُو گروں کے ساتھ میدان کی طرف بڑھا۔ جادُو پڑھ کر دشمنوں کی طرف پھُونکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ابر گھِر آیا۔ مینہ برسنے لگا۔ بارش کی بُوندیں جِس دشمن پر پڑتیں بے ہوش ہو جاتا۔ جِس آتشیں اژدھے یا سانپ کو چھُو جاتیں، ٹھنڈا ہو کر غائب ہو جاتا۔ آناً فاناً ہزاروں جادُو گر شہباز کی فوج کے میدانِ جنگ میں ڈھیر ہو گئے۔ شکیل کی فوج کے ساحر بڑھ بڑھ کر اُن بے ہوشوں پر خنجر چلانے لگے۔ اُن کی زندگی کے چراغ بُجھانے لگے۔ اپنے ساتھی کی فوج کا یہ قتلِ عام جامُوش سے نہ دیکھا گیا۔ اُس نے میدانِ جنگ کی طرف قدم بڑھایا اور کاغذ کا ایک سورج کاٹ کر آسمان پر اُڑایا۔ کاغذ کا وہ ٹکڑا جادُو کے زور سے بُلند ہو کر سورج کی طرح چمکنے لگا۔ اُس کی روشنی سے شکیل جادُو کا پیدا کیا ہوا ابر فنا ہونے لگا۔ لشکر مہ رُخ میں سے جِس پر بھی اُس کی دھوپ پڑی پتھّر کا ہو گیا۔ ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ اِسی حالت میں جاموش اور کوہان اپنی سپاہ

کے ساتھ ہاتھوں میں ترشول لِیے اُن پر آ پڑے۔ جو پتھّر ہونے سے بچ گئے ترشولوں سے ہلاک ہونے لگے۔

جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر شہزادہ اسد سے نہ رہا گیا۔ جوش میں آ کر اُس نے تلوار کھینچ لی اور نعرہ لگا کر گھوڑے کو دُشمن کے لشکر کی طرف دوڑایا۔ مہ جبین ایک بُلند مقام سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسد کو دشمن جادُوگروں کی سمت جاتا دیکھ کر اُس نے گھبرا کر دل آرام سے کہا: ”شہزادے کو سنبھالو۔ وہ جادُو نہیں جانتا۔ جادُوگروں میں گھِر گیا تو بُرا ہو گا۔“

دل آرام نے یہ سُنتے ہی منتر پڑھ کر تالی بجائی۔ اسد کا گھوڑا آگے بڑھنے کی بجائے اُوپر ہوا میں اُڑتا چلا گیا اور خاصی اُونچائی پر پہنچ کر رُک گیا۔ اسد نے بڑے ہاتھ پیر مارے مگر گھوڑے کو زمین پر نہ اُتار سکا۔ مجبور ہو کر اوپر ہی سے جنگ کا منظر دیکھنے لگا۔

مہ رُخ اپنے لشکر کی ابتری پر طیش کھاتی ہوئی جاموش کے مُقابلے پر جا پُہنچی۔ جاموش نے پے در پے کئی وار سحر کے اُس پر کیے مگر وہ اُس کا ہر وار خالی دے گئی۔ آخر میں اُس نے جادُو پڑھی ہوئی سوئیوں کا ایک گُچھا اُس کی

طرف کھینچ مارا۔ مہ رُخ نے تڑپ کر زمین میں غوطہ لگایا اور اندر ہی اندر جاموش کی پیٹھ کی طرف جانکلی۔ وہاں سے اُس نے نعرہ لگاکر ایک تیر جاموش پر کھینچ مارا۔ جاموش چونک کر اُس کی طرف پلٹا۔ مگر اِس سے پہلے ہی مہ رخ کا تیر اُس کا سینہ توڑ کر باہر نِکل گیا۔

اِدھر جاموش بے دم ہو کر زمین پر گرا۔ اُدھر اُس کا کاغذ کا سورج بجھ کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ آندھیاں چھانے لگیں۔ تاریکی چھانے لگی۔ شور رونے پیٹنے کا بُلند ہُوا۔ طلِسمی دھوپ غائب ہو گئی۔ اِس کے اثر سے مہ رُخ کی فوج کے جو لوگ پتھّر کے بن گئے تھے اپنی اصلی حالت میں آ گئے۔

منتر پڑھ کر مہ رخ نے آندھی، تاریکی اور شور غائب کیا۔ اپنے جادُوگروں کو ہلّا بولنے کا حکم دیا اور خود بھی بجلی بن کر جاموش کی فوج پر برسنے لگی۔ اپنے سردار کی موت کے بعد جاموش کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ سب دہشت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ مہ رُخ اُن کے کُشتوں کے پُشتے لگانے لگی۔ مرنے والوں اور زخمیوں کی چیخ چنگھاڑ سے میدانِ جنگ لرزنے لگا۔ دشمن کی شکست اور مہ رخ کی فتح آئینے کی طرح صاف دکھائی دینے لگی۔

اسی موقع پر ایک زبردست نعرہ بُلند کر کے کوہان جادُو آگے بڑھا۔ مہ رُخ کے جادُوگروں کی خوفناک یلغار دیکھ کر اُس نے خنجر سے اپنی ران پر زخم لگایا، زمین سے کچھ روڑے اُٹھا کر اُنہیں اپنے خُون سے تر کیا اور پھر کُچھ منتر پڑھ کر ان روڑوں کو مہ رُخ کی فوج کی طرف آسمان پر اُچھال دیا۔ روڑے اُوپر جا کر غائب ہو گئے۔ مگر دوسرے ہی لمحے خوفناک گڑگڑاہٹ کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ مہ رخ اور اس کے جادُوگروں نے گھبرا کر پیچھے اور دائیں بائیں نگاہ دوڑائی۔ بے ساختہ سب کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ خوفناک پہاڑ پیچھے اور دائیں بائیں سے اُن کی طرف ہوا میں آتے دکھائی دے رہے تھے۔ شکیل اور مہ رُخ نے پے در پے کئی منتر پڑھ کر اِس مُصیبت کو سر سے ٹالنا چاہا مگر اُن کی ایک نہ چلی۔ ہولناک پہاڑ ہوا میں ڈولتے ہوئے اُن کی طرف بڑھتے رہے۔ مہ رُخ کی ساری فوج حواس باختہ ہو کر پناہ کے لیے اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ یہ حال دیکھ کر مہ رُخ نے اپنے جُوڑے میں گندھا ہُوا ایک پھُول نوچا، اُس پر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ سر کے بال کھول کر پھیلا دیے۔ پھُول کو آسمان کی طرف اُچھالا۔ اور دونوں ہاتھ اُوپر اٹھا کر چیخی۔

”موم پری! موم پری۔ اپنا کام دِکھا۔ مُصیبت سے چھڑا۔“

مہ رخ کے الفاظ کی گونج ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بادلوں کی اوٹ سے پھُولوں کی ایک کشتی نِکل کر سامنے آئی۔ دوست اور دُشمن سب نے دیکھا کہ اس میں ایک خُوب صُورت پری سوار ہے۔ وہ پروں سے آہستہ آہستہ کشتی کھیتی ہوئی کوہان جادُو کی سمت اُڑی چلی جاری ہے۔ چاندی جیسا سفید چمچماتا ہوا مکھڑا، سر پر سفید پھُولوں کا خُوش نما تاج گلے میں ہیروں کا ہار، جسم پر سفید براق لباس۔ جس نے ایک نظر دیکھا، دیکھتا رہ گیا۔ اِنسان کی شکل میں چاند کا ایسا ٹکڑا کاہے کو کسی نے کبھی دیکھا ہو گا۔ کوہان بھی اُسے دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اُسے کچھ یاد نہ رہا، وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔

موم پری نے عین کوہان کے سر پر پہنچ کر اپنی کشتی ٹھہرائی۔ اُسے دیکھ کر کوہان کا رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ اُس نے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

”اے چاند کی بیٹی! نیچے آ۔“

”دو شرطیں ہیں۔“ موم پری نے کہا۔ ایک یہ کہ اِن پہاڑوں کو واپس پلٹا دے جو چاروں طرف سے اُڑتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ دوسری شرط بعد میں بتاؤں گی۔“

موم پری کے جادُوئی اثر سے کوہان جادُو اور اُس کے لشکر کے ہر شخص کی یادداشت ختم ہو چکی تھی۔ ہوش و حواس جاتے رہے تھے۔ اچھائی برائی اور دوستی دُشمنی کی اُنہیں کوئی تمیز نہ رہی تھی۔ سب کے دِلوں میں رہ رہ کر ایک ہی بات پیدا ہو رہی تھی۔ موم پری نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ جو کہے، وہ مانیں۔

کوہان جادُو نے فوراً سحر پڑھ کر تالی بجائی۔ منڈلاتے ہوئے پہاڑ آناً فاناً دُھواں بن کر غائب ہو گئے۔ مہ رخ اور اس کے لشکریوں کی جان میں جان آئی۔ اسد گھوڑے پر سوار ہوا میں لٹکا یہ تماشا دیکھ کر حیران ہو تا رہا۔

کوہان جادُو نے ہاتھ باندھ کر موم پری سے کہا۔ ”اے چاند کی بیٹی! میرے لیے اور کیا حکم ہے؟“

”شاباش!“ موم پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بس اب مجھے ملکہ حیرت جادُو کا سر لادے۔“

”بہت اچھا! ابھی لاتا ہوں۔“ کوہان نے کہا اور اپنے لشکریوں کو حکم دیا۔ ”جان نثارو! آندھی کی طرح اُڑتے ہوئے باغِ سیب میں پُہنچو اور ملکہ حیرت کا سر کاٹ کر اُلٹے پیروں واپس آؤ۔“

یہ کہہ کر کوہان نے اپنا اژدھا اُڑایا۔ ساری فوج اُس کے پیچھے ہولی۔ نہ اُنہوں نے مُعاملے کے نیک و بد پر غور کیا۔ نہ اپنا سامان ساتھ لینے کی سوچی، نہ انجام پر غور کیا۔ سب اُڑتے ہوئے دریائے خُونِ رواں پار کر گئے۔ طِلسم باطن کے عِلاقے میں داخل ہوئے اور آخر کار باغِ سیب جا پہنچے۔ وہاں افراسیاب کی جو محافظ فوج موجود تھی اُس نے کوہان اور اُس کی فوج کو روکنا چاہا لیکن رُکنے کے بجائے وہ سب پاگلوں کی طرح اُن سے اُلجھنے لگے۔ افراسیاب نے ہڑبونگ کی آواز سُن کر ہرکاروں کو دوڑایا۔ انہوں نے واپس آکر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ افراسیاب نے باغ کے باہر پُہنچ کر کوہان کو سمجھانا چاہا۔ مگر وہ اپنے آپ میں کب تھا۔ اُس پر تو موم پری کے جادُو کا اثر چھایا ہوا تھا۔ اُس نے ایک نہ سُنی اُلٹا

افراسیاب پر حملہ کرنے کے لیے دوڑا۔ افراسیاب سمجھ گیا کہ اب یہ ہوش میں نہیں آ سکتا۔ اُس نے محافظوں کو حکم دیا۔ کوہان اور اُس کی ساری فوج کو ہلاک کر ڈالو۔"

دیکھتے ہی دیکھتے باغِ سیب کے سامنے کشت وخُون کا بازار گرم ہو گیا۔ کوہان اور اُس کے ساتھی ویسے بھی افراسیاب کے محافظوں کی ٹکّر کے نہ تھے۔ پھِر وہ سب جنون میں مبتلا تھے۔ نہ وہ سمجھ سے کام لے کر اپنا بچاؤ کر سکے۔ نہ ہوش کے ساتھ حملہ کر سکے۔ کٹ کٹ کر ڈھیر ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ ان میں کا ایک بھی زندہ سلامت نہ بچ سکا۔

افراسیاب کو اِس واقعے سے بڑا دکھ پہنچا۔ دربار سے اُٹھ کر وہ ملکہ حیرت کے ساتھ چمن میں آ گیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک کنیز نے آ کر اِطلاع دی۔

"بُران جادُو حاضِر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

بُران ملکہ حیرت کا چہیتا بھانجا تھا۔ افراسیاب نے ملکہ کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے سے ظاہر تھا کہ وہ اُسے دیکھنا چاہتی ہے۔ افراسیاب نے ملکہ کا دل رکھنے کے خیال سے کنیز سے کہا: "آنے دو۔" کنیز واپس چلی گئی۔ تھوڑی ہی

دیر بعد ایک گرانڈیل اور خُوبصورت نوجوان ملکہ اور افراسیاب کو جھُک کر سلام کر رہا تھا۔

"اس وقت آنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔" افراسیاب نے ببران سے کہا۔

وہ نوجوان ببران ہی تھا۔

"عالی جاہ! باغ کے سامنے پیش آنے والے واقعے نے میرا خون کھولا دیا ہے۔ میں مہ رُخ سے جنگ کرنے کی اجازت چاہتا ہُوں۔" ببران جوش سے بولا۔

"فی الحال تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔" ملکہ حیرت نے کہا۔ "نمک خواروں کی کوئی کمی نہیں۔ کوئی نہ کوئی جا کر اُس غدّار کو گرفتار کر لائے گا۔"

ببران نے ملکہ کی ایک نہ سُنی۔ اپنی بات پر اڑا رہا۔ لاچار افراسیاب کو اجازت دینی پڑی۔ البتّہ یہ تاکید کر دی کہ اپنے جاں نثاروں کے علاوہ اور بھی فوج اپنے ساتھ لیتا جائے۔

باہر آکر ببران نے چالیس ہزار افراسیاب کی فوج کے اور بارہ ہزار ساحر اپنے روانگی کے لیے منتخب کیے۔ تیاری مکمّل ہو گئی تو وہ اپنے خاص طِلسمی شیر پر سوار ہوا اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ لشکر چلا اور اِس شان سے کہ سارے طِلسم باطِن

میں دھوم مچ گئی کہ بھانجا ملکہ حیرت کا مہ رُخ کے مقابلے کو جاتا ہے۔ لوگ اِس لشکر کا ساز و سامان اور سپاہیوں اور جادُوگروں کی آن بان دیکھتے اور عش عش کرتے۔

اُدھر ملکہ مہ رُخ نے پیش قدمی کر کے جاموش، شہباز اور کوہان جادُو کے سارے ساز و سامان پر قبضہ کر کے اُنہی کی چھاؤنی میں ڈیرا جمار کھا تھا۔ دربار شاہی بھی اب وہاں لگا کرتا تھا۔ بران شیر سوار جیسے ہی دریائے خُونِ رواں کے قریب پہنچا، مہ رخ کے طِلسمی پرندوں نے اُسے دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کر دیا۔ مہ رخ نے اِس کا اِعلان کیا تو عُمرو اور اُس کے چاروں شاگرد عیّار پہلے کی طرح نِکلا اور میدانِ جنگ سے دور جا کر چھپ رہے۔ اسد نے اپنی فوجوں کو تیّاری کا حکم دے دیا اور ملکہ مہ رخ اور شکیل جادُو اپنے لشکر کو درست کر کے دشمن کا انتظار کرنے لگے۔

بالآخر ڈنکے بجاتا اور دھاوے کرتا بران شیر سوار مع اپنے لشکر کثیر کے آ پہنچا۔ مہ رخ کی چھاؤنی پہچان کر اس نے جنگ کے لیے ایک بڑا اعلاقہ درمیان

میں چھوڑا اور دوسری جانب اپنی فوج کو ڈیرا اڈالے کا حکم دیا۔ دن ابھی خاصا باقی تھا لیکن اُس نے جنگ کو اگلے دِن کے لیے ملتوی کرنا مناسب سمجھا۔ مہ رُخ نے بھی جلد بازی سے کنارہ کیا۔ دونوں جانب کی چھاؤنیوں میں اگلے دن کے جنگی نقشے بنانے اور نئ نئ ترکیبیں استعمال کرنے پر غور ہونے لگا۔ جادُوگر اپنے جادُو جگانے اور شُعبدے آزمانے کی فکر میں مشغول ہو گئے۔

رات ہونے پر ببران نے بارہ سو نامور جادُوگروں کو لشکر گاہ کے گرد پہرا دینے پر مقرر کیا۔ ایک سو جادُوگروں کو اپنی بار گاہ کی حفاظت پر کھڑا کیا۔ انہیں یہ ہدایت بھی کر دی کہ چاہے کوئی اپنا دکھائی دے یا پرایا، ہر کسی کو بار گاہ کے قریب نہ آنے دیا جائے۔ اگر کوئی مرد یا عورت ایسی کوشش کرے تو فوراً اُسے گرفتار کر لیا جائے۔ یہ احتیاط ببران نے اِس لیے کی تھی کہ چلتے وقت افراسیاب نے اُسے عیّاروں سے ہوشیار رہنے کی تاکید کر دی تھی اور جتلا دیا تھا کہ عیّار طرح طرح کے بھیس بھرنے میں ماہر ہوتے ہیں اور دھوکا دے کر دشمن کو قتل کر ڈالتے ہیں۔

اِدھر ببران کے لشکر میں یہ چوکسی ہو رہی تھی، اُدھر عیّار جو جنگل میں جا چھُپے تھے اپنے داؤں گھات میں تھے۔ اِتّفاق سے برق فرنگی اس درّے ہیں چھُپا ہوا تھا جو ببران کی بارگاہ کے سامنے تھا۔ سُورج ڈوبنے سے پہلے اُس نے خیموں اور جھنڈوں کے طمطراق سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہ بارگاہ لشکر کے سردار ہی کی ہو سکتی ہے۔ اندھیرا ہونے پر اُس نے اپنی صُورت اور لباس ایک راہب کی بنائی۔ شربت کی ایک صُراحی لے کر اُس میں سفوف بے ہوشی ملائی اور اسے کاندھے پر رکھ کر بارگاہ کے پہلو سے اِس طرح گزرنے لگا کہ پہرے دار اُسے دیکھ لیں۔

پہرے داروں نے اُسے دیکھا تو اُن کے دِلوں پر اُس کی روحانی بڑائی کا سکّہ جم گیا۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ اِس بزرگ سے کُچھ فیض اُٹھانا چاہیے۔ اور ہو سکے تو کچھ اِس جنگ کے انجام کے بارے میں معلوم کرنا چاہیے۔ یہ خیال کر کے ایک جتھا اُس کے پیچھے ہو لیا۔ برق نے جب اُنہیں اپنے قریب ہوتا محسوس کیا تو پلٹ کر بڑبڑایا۔

”دنیادار کتو! میرے پیچھے کیوں لگے ہو؟“

یہ کہہ کر اُس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ پہرے داد بھی لپکے۔ اس پر برق نے دوڑ لگا دی۔ پہرے دار بھی پیچھے بھاگے۔ مگر جلد ہی جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر برق اُن کی نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ وہ سب اُسے اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اُن کے سامنے آیا۔ پہرے دار گڑ گڑا کر کہنے لگے۔

"حضرت! ہم پر کرم کیجیے۔ کچھ نہ کچھ تبرّک عنایت کیجیے۔"

برق نے انہیں پھر ڈانٹا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ کافی دیر تک یہ آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ آخر ایک جگہ برق نے کاندھے سے صراحی اُتار کر نیچے رکھی اور اُن سے بولا۔ "نامُرادو! نہیں مانتے تو یہ لو۔ آیندہ پیچھا مت کرنا۔"

پہرے دار مٹکے کی طرف بڑھے اور برق اُن کی طرف تھُوک کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اُن عقل کے اندھے پہرے داروں نے شربت دیکھا تو خُوشی سے پھُولے نہ سمائے۔ سمجھے بزرگ نے ہمیں یہ تبرّک ہم پر رحم کھا کر عنایت کیا ہے۔ اِس کے پینے سے بڑی برکت ہو گی۔ وہ سب شربت پر ٹوٹ پڑے۔ پھر جو وہ وہاں سے جھومتے چلے ہیں تو کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے کا سارا غول بے ہوش ہو کر زمین ناپ رہا تھا۔

برق فرنگی اِسی موقع کا منتظر تھا۔ خنجر تان کر جھاڑی کی اوٹ سے نکلا اور بے ہوش جادُوگروں پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے ہی جادُوگر کے مرنے پر آندھی چلنے لگی تھی۔ چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں، تاریکی گہری ہو گئی تھی مگر برق نے کِسی کی پروانہ کی۔ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر خنجر چلاتے ہوئے اُس نے اِس جتّھے کے آدھے سے زیادہ پہرے دار جادُوگر ہلاک کر دیئے۔ وہ اِس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ جادُوگروں کی موت کا طِلسمی شور ببران کے کانوں تک جا پہنچا ہے اور وہ محافظوں کے ساتھ اُس کی جانب لپکا چلا آرہا ہے۔ اُس کا ماتھا اُس وقت ٹھنکا جب ببران نے کوئی منتر پڑھ تالی بجائی۔ تاریکی غائب ہو گئی اور ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ روشنی میں ببران اور اُس کے محافظوں کو اپنے قریب دیکھ کر برق ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن تھوڑی ہی دُور جانے پر اُس کے قدم زمیں سے چپک گئے۔ لاکھ زور لگانے پر بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ یہ ببران کے جادُو کا اثر تھا۔ ببران نے اُسے بھاگتا دیکھ کر فوراً کوئی منتر پڑھ کر اُس کی طرف چھُو کر دیا تھا۔

محافظ اُسے باندھ کر لے جانے لگے تو وہ ببر ان کو دھمکیاں دینے لگا۔ کئی محافظ خنجر نکال کر اُس کی طرف لپکے۔ ببر ان نے انہیں روکتے ہوئے کہا ”ٹھہرو! اسے کل صُبح قتل کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اِس کے ساتھی آس پاس موجود ہوں گے اور اسے چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ دوسروں کو گرفتار کرنے کی خاطر میں اسے آج رات زندہ رکھوں گا۔ چاہے یہ کتنا ہی اُول فُول بکتا رہے؟“

ببر ان کا خیال صحیح تھا۔ طِلسمی ہنگامے کی آوازیں سن کر مہتر قِران اِس طرف آ نِکلا تھا۔ اِس وقت وہ ان لوگوں کے اتنے قریب تھا کہ ببر ان کی بات حرف بحرف سُن رہا تھا۔ چلتے چلتے ببر ان نے برق فرنگی سے یہ بھی کہا کہ کل صُبح جب میں ہوا خوری کر کے واپس پلٹوں گا تو تیرا حساب بے باق کر دوں گا۔ یہ سُنتے ہی مہتر قِران کا دماغ تیزی کے ساتھ کام کرنے لگا تھا۔

بار گاہ میں واپس آ کر ببر ان نے برق کو رسّیوں سے جکڑوا کر ایک گوشے میں ڈلوا دیا، بار گاہ کے اِرد گرد پہرا سخت کروا دیا اور جادُو کے زور سے ایک ایسا نہ نظر آنے والا گھیرا بھی بار گاہ کے اندرونی دائرے میں کھینچ دیا کہ دروازے

کے علاوہ جو شخص بھی کسی طرف سے اندر آئے، بے حس و حرکت ہو کر اندر پھنسا رہ جائے۔

مہتر قِران نے رات کو بار گاہ میں داخل ہو کر برق کو چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ اِس کے بجائے وہ جنگل کی ترائی کی سمت نکل گیا۔ وہ کسی ایسے شیر کی تلاش میں تھا جو اُس شیر سے مِلتا جُلتا ہو جِس پر ببر ان سواری کیا کرتا تھا۔ آدھی رات سے زیادہ کا عرصہ گُزر گیا مگر اُسے کہیں کوئی شیر نہ دکھائی دیا۔ تنگ آ کر ایک اور اُونچے گنجان درخت کے نیچے کھڑے ہو کر وہ ایسی آوازیں نکالنے لگا جیسی شیر کو پکارنے کے لیے شیرنیاں نکالا کرتی ہیں۔ کچھ دیر بعد بُہت دور سے کسی شیر نے اُس کا جواب دیا۔ مہتر قِران وقفے وقفے سے شیرنی کی آواز میں بولتا رہا۔ شیر کی آواز دم بہ دم قریب آتی گئی۔ آخری بار جب شیر کی آواز زیادہ نزدیک سے سنائی دی تو مہتر قِران بغیر آہٹ پیدا کے پھُرتی کے ساتھ درخت کے اوپر جا چڑھا اور پتوں میں چھُپ کر غور سے نیچے نگاہیں دوڑانے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک قد آور شیر درخت کے نیچے کھڑا اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑارہا تھا۔ موقع مناسب دیکھتے ہی مہتر قِران نے سفوفِ بے ہوشی شیر کے مُنہ پر کھینچ مارا۔ شیر اپنی جگہ سے اُچھلا۔ کُچھ غرّایا اور پھر بے سُدھ ہو کر زمین پر لیٹ گیا صادِق کا وقت ہو چلا تھا۔ مہتر قِران درخت سے نیچے اُترا۔ کالے دھاگے میں بندھا ہوا ایک تعویذ اپنی جھولی سے نکالا اور شیر کے قریب جا کر تعویذ اُس کے گلے میں باندھ دیا۔ یہ تعویذ اُسے حضرت خضر نے دیا تھا۔ خاصیت اِس کی یہ تھی کہ جِس جانور کے گلے میں بھی پہنایا جاتا وہ جانور کیسا ہی منہ زور اور وحشی کیوں نہ ہوتا تعویذ کے مالک کے آنکھ کے اِشارے کی تعمیل کرنے لگتا۔

یہ عمل کر کے وہ شیر کو ہوش میں لایا۔ اُس کے گلے میں ویسا ہی پٹا باندھا جیسا بیر ان اپنے شیر کے گلے میں باندھتا تھا۔ بالکل ویسی ہی زین اُس کی پیٹھ پر کسی اور سوار ہو کر بیر ان کی بار گاہ کی طرف چل دیا۔ شیر ایک وفادار اور ہوشیار گھوڑے کی طرح اُس کے اشاروں پر چلتا، رُکتا، مُڑتا اور بھاگتا رہا۔ مشرق کے اُفق پر سُرخی نمودار ہوتے ہوتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ کر رُک گیا جہاں سے

جبران کی بار گاہ کا دروازہ تو دکھائی دیتا تھا مگر خود اُسے کوئی پہرے دار نہ دیکھ سکتا تھا۔ چند لمحوں بعد ببران اپنے شیر پر سوار ہو کر دروازے سے باہر آیا۔ کچھ دیر دروازے پر رُک کر اس نے محافظوں کے سردار سے کچھ باتیں کیں۔ اِسی موقع پر مہتر قِران نے اُس کے چہرے، ناک نقشے اور لباس وغیرہ کو خوب غور سے دیکھ لیا۔ محافظ سردار سے باتیں کرنے کے بعد ببران نے شیر کو اشارہ کیا۔ شیر چھلانگیں بھرنے لگا۔ اِتّفاق سے وہ اُسی ٹیلے کے نیچے سے ہو کر جنگل کی طرف گیا جس کے اوپر جھاڑیوں کی اوٹ میں مہتر قِران اپنے شیر پر سوار کھڑا ہوا تھا۔ قریب آنے پر اُس نے پھر ببران کو غور سے دیکھا اور جلدی جلدی اُس کا بہروپ بھرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہر طرح ببران دِکھائی دینے لگا۔

وقت ضائع کیے بغیر وہ ٹیلے سے نیچے آیا اور شیر کو دوڑاتا ہُوا ببران کی بار گاہ کے دروازے پر جا پہنچا۔ محافظوں کے سردار نے بڑھ کر اُس کا استقبال کیا اور اُسے ببران سمجھ کر کہا۔ "کیا حضور کچھ بھُول گئے تھے؟"

"ہاں! جا کر رات والے عیّار قیدی کو لے آؤ۔"

مہتر قِران نے بڑے رُعب سے کہا۔ "دشمن کے لشکر کے سامنے لے جا کر میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کرنا چاہتا ہوں۔"

محافظ سردار نے دو سپاہیوں کو حکم دیا۔ وہ بھاگم بھاگ گئے اور برق فرنگی کر اُٹھا لائے۔ اُس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ مہتر قِران نے اُسے اپنے سامنے بٹھایا اور شیر کو چلنے کا اشارہ کیا۔ شیر ہوا ہو گیا۔ جنگل کے ایک محفوظ مقام پر پُہنچ کر مہتر قِران نے برق فرنگی کر نیچے اتارا۔ اُس کے ہاتھ پیر کھولے اور شیر کو بے ہوش کر کے تعویذ اُس کے گلے سے اُتار لیا۔ اب جا کر برق فرنگی سمجھا کہ اُس کے سامنے اِس وقت اصلی نہیں، نقلی بر ان ہے۔ مہتر قِران نے فوراً اپنی اصلیت اُس ظاہر کر دی اور نصیحت کی کہ "برخوردار! ذرا چوکنے ہو کر عیّاری کیا کرو"۔ اِس کے بعد دونوں عیّار ایک دوسرے سے رُخصت ہو کر الگ الگ سمتوں کو چل دیے۔

بر ان ہوا خوری کر کے واپس آیا تو مہتر قِران کا کارنامے اُس پر روشن ہُوا۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ "واہ رے عیّارو۔ کیا ہنر رکھتے ہو۔ مجھے بار گاہ سے نکلے دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ میرے ہی روپ میں آ کر ساتھی کو چھڑا لے گئے۔"

دل کی بھڑاس نکالنے کی نیّت سے اُس نے مہ رُخ کے لشکر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ سپاہیوں اور جادُوگروں کی فوجیں کیل کانٹے سے لیس ہوکر جوش و خروش کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف بڑھنے لگیں۔ مہ رُخ، شکیل اور اسد کو جاسوسوں نے ببران کی پیش قدمی کی فوراً خبر دی۔ وہ سب بھی اپنے لشکروں کو مناسب مقامات پر آراستہ کرکے دُشمن کا انتظار کرنے لگے۔ دونوں لشکر دم بہ دم قریب ہوتے جا رہے تھے۔

لیکن عین اُس وقت جب کہ دونوں لشکروں کے درمیان صرف ایک چھوٹا مگر گھنا جنگل ہی حائل رہ گیا تھا، ایک قاصد مہ رُخ کے لشکر کی جانب سے دوڑا ہُوا ببران کی فوج کی طرف آتا دکھائی دیا۔ سپاہیوں نے اُسے روکا تو وہ چلّایا۔

”مجھے ببران شیر سوار کے پاس لے چلو۔ ایک خفیہ پیغام لایا ہوں۔“

سپاہیوں نے اُسے لے جاکر ببران کے سامنے پیش کر دیا۔ ببران نے اُس سے آنے کا سبب پُوچھا تو اُس نے قریب جاکر آہستہ سے کہا ”مجھے مہ رُخ اور شکیل کے جادُوگر سرداروں نے بھیجا ہے۔ اگر آپ انہیں شہنشاہ سے معافی دِلوانے کا وعدہ کریں تو وہ مہ رُخ سے بغاوت کر دیں گے۔“

ببران سے سُنتے ہی خوشی سے سُرخ ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ”مگر انہوں نے ایسا کیا تو میں اُنہیں مُنہ مانگا انعام بھی دِلواؤں گا۔“

قاصد نے کہا۔ ”بہت بہتر۔ آپ کا یہ وعدہ کافی ہے۔ اب ذرا کسی قریبی اُونچے ٹیلے پر چلے چلیے تاکہ میں آپ کو مہ رُخ اور شکیل کے لشکر کے وہ مقامات دکھا دوں جہاں وفادار سرداروں کے جتھّے ہیں۔ انہیں ذہن میں رکھ کر آپ لڑائی کا ایسا نقشہ بنائیں کہ اِشارہ ملتے ہی وہ سردار اپنا کام کر دکھائیں۔“

ببران فوراً تیّار ہو گیا۔ قاصِد کو لے کر وہ ایک ٹیلے پر جا چڑھا۔ وہاں سے مہ رُخ اور شکیل تھے لشکر کی صفیں اور مورچے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ قاصد مختلف مقامات کی طرف انگلیاں اُٹھا کر ببران کو خاص وفادار سرداروں کے پرچم شناخت کرواتا رہا۔ ببران اُن پر نگاہیں جما کر میدانِ جنگ کا نقشہ ذہن نشین کرتا رہا۔ اچانک آنکھ بچا کر قاصد نے ایک چمکتا ہُوا خنجر نکالا اور قبل اِس کے کہ ببران چوکنا ہوتا، اُس کے سینے میں اُتار دیا۔ ببران کے محافظوں میں سے ایک نے ٹیلے کے نیچے سے یہ منظر دیکھ لیا وہ ٹیلے کی طرف

بھاگا۔ دوسرے محافظ بھی اُس کے ساتھ تلواریں کھینچ کر اُوپر بھاگے۔ اِتنی دیر میں خنجر کے کئی اور وار کر کے قاصد نے ببران کو ٹھنڈا کر دیا۔ اِکبارگی تاریکی چھاگئی، آندھی چلنے لگی۔ ببران کے ایک جادُوگر سردار نے یہ دیکھ کر آندھی اور تاریکی کو جادُو پڑھ کر غائب کر دیا اور اب وہ قاتل کو ڈھونڈنے لگے مگر ٹیلے پر یا اُس کے نیچے دُور دُور تک قاتل کا کہیں سایہ بھی نظر نہ آیا۔

اب آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ وہ قاصد کون تھا۔ بلاشبہ وہ عُمرو تھا۔ جِس نے ببران کو جنگ سے پہلے قتل کرنے کے یہ سارا ڈھونگ رچایا تھا اور ببران کو قتل کرتے ہی عیّاری کی چادر اُوڑھ کر غائب ہو گیا تھا۔

ببران کے ساتھیوں نے جوش میں آکر لشکر کو حکم دیا۔ ”آندھی طوفان کی طرح یلغار کر کے مہ رُخ کے لشکر پر ٹُوٹ پڑو۔“

نعروں اور جے کاروں سے زمین آسمان تھرّا اُٹھے۔ ببران کی زبردست فوج نے دشمن پر ہلّہ بول دیا۔ مہ رُخ اور شکیل نے بھی اپنا لشکر دُشمن پر ریل دیا۔ آسمان طلِسمی اژدھوں، گولوں اور ناریلوں کی ہولناک شعاعوں سے آگ ہو گیا۔ زمین خُون سے سُرخ ہو گئی۔ دھڑا دھڑ لاشیں فرش پر تڑپنے لگیں۔ شُور

غُل اور چیخ و پُکار کی صداؤں سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ بے سردار کی فوج زیادہ دیر تک جم کر نہ لڑ سکی۔ ببران کے حامی دل توڑ کر پسپا ہونے لگے۔ دہشت کی وجہ سے سارا جادُو منتر بھول گئے۔

یہ رنگ دیکھ کر اسد نے بھی جنگ جُو سپاہیوں کے ساتھ اُن پر ہلّہ بول دیا۔ مہ رُخ اور شکیل اُن پر آگ پتھّر برسانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں دُشمن کے چھکّے چھوٹ گئے۔ بدحواس ہو کر جِس کا جِدھر منہ اُٹھا، بھاگنے لگا۔ اِس افراتفری میں بُہت تھوڑے دریائے خُون رواں پار کر کے طِلِسم باطن کی حد میں جا سکے۔ باقی سب بھاگتے ہوئے مارے گئے۔

مہ رُخ، شکیل اور اسد نے دشمن کے لشکر گاہ پر قبضہ جما کر اور سارا ساز و سامان لوٹ کر جشنِ فتح منایا۔ بھاگے ہوئے دشمنوں نے جا کر افراسیاب کو اپنی شکست اور ببران کی ہلاکت کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ملکہ حیرت کو اپنے چہیتے بھانجے کے مارے جانے کا بڑا دُکھ ہوا۔ افراسیاب کے سِینے پر اِس شکست سے سانپ لوٹ گیا۔ ببران کا سوگ منانے کے بعد اُس نے دربار لگایا اور دِل میں

یہ سوال کر کے کہ سارے باغیوں اور عیّاروں کو کون گرفتار کر سکتا ہے، اُس نے کتابِ سامری کا ورق اُلٹا۔ جواب میں آہن جادُو کا نام نِکلا۔

افراسیاب نے سحر پڑھ کر فوراً تالی بجائی۔ ایک زلزلہ سا آیا۔ زمین شق ہوئی۔ طوفانی ہواؤں کے جھکّڑ چلے اور ایک خوفناک جادُوگر گینڈے پر سوار، زمین سے نکل کر اُوپر آیا۔ گینڈے سے اُتر کر اُس نے افراسیاب کے تخت کو بوسہ دیا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"عالی جاہ! حکم فرمایئے۔ غلام حاضر ہے۔"

"آہن جادُو؟" افراسیاب نے رُعب سے کہا۔ "کچھ نادان باغیوں نے چند عیّاروں کے ساتھ مل کر بغاوت کی جرأت کی ہے۔ میں چاہتا ہوں تُم اِن سب کو گرفتار کر کے میرے حضور میں پیش کرو۔ دیر نہ ہو۔ اِسی وقت روانہ ہو جاؤ۔"

"حکم کی پوری تعمیل کی جائے گی عالی جاہ!" آہن جادُو نے سر جھکا کر کہا اور گینڈے پر سوار ہو کر باغِ سیب سے باہر نِکل گیا۔ ٹھکانے پر پُہنچ کر اُس نے اپنی فوج کو ساتھ لیا اور باغیوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ ملکہ مہ رُخ کو اُس کی

فوج کشی کی اطلاع مِل گئی۔ اُس کے پُہنچنے سے پہلے اُس نے جنگ اور مُقابلے کی تیّاری مکمل کر لی۔

آہن جادُو یلغار کرتا ہوا دوپہر کے قریب میدانِ جنگ سے پرے خیمہ زن ہو گیا۔ فوج کو آرام دینے کے خیال سے اُس نے لڑائی کے دُوسرے دِن پر موقوف کیا۔ اور لشکر کو پیشگی جشنِ فتح منانے کا حکم دیا۔ عیّاروں کو اُس کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے جشن کی محفل میں ہی اُس کا کام تمام کر دینے کا منصوبہ بنایا۔

عُمرو نے مہ رخ کے نائب جادُوگر سردار کا بہروپ بنایا اور خُود کو آہن جادُو کے دربار میں پہنچایا۔ اُس نے معافی کا وعدہ لے کر یہ اقرار کیا کہ کل وہ آہن جادُو کی جانب سے مہ رخ سے جنگ کرے گا اور لڑائی کے موقع پر اُس کے سارے ماتحت مہ رُخ کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ یہ بات کچھ اِس طرح پیش کی گئی کہ آہن جادُو کو اُس پر یقین آ گیا۔ اُس نے عُمرو کو اپنے قریب بٹھایا۔ جاں سوز اور ضرغام شیر دل بھی کسی نہ کسی طرح جشن گاہ میں پُہنچ گئے اور خادموں کے بھیس میں آہن جادُو کے پیچھے کھڑے ہو کر پنکھا جھلنے لگے۔

کچھ دیر بعد آہن جادُو نے عُمرو سے کہا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اُسے شربت پلائے۔ عُمرو نے ہوشیاری کے ساتھ دوائے بے ہوشی شربت میں مِلا کر پیالہ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ آہن جادُو غٹا غٹ پی گیا۔ عُمرو اُس کے بے ہوش ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

لیکن چند لمحوں بعد آہن جادُو نے ایک قہقہہ لگایا۔ منتر پڑھ کر عُمرو کو بے بس بنایا اور کہنے لگا۔ ”او مکّار! تُو نے شربت میں دوائے بے ہوشی ملائی ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ منوں دوائے بے ہوشی بھی مُجھ پر اثر نہیں کر سکتی۔ میں نے خود جان بوجھ کے تیری اصلیت جاننے کے لیے یہ موقع تجھے دیا تھا۔ تُو سمجھا ہو گا کہ اب تو کامیاب ہو گیا مگر یہی بات تُجھے شکست دے گئی۔“

یہ سُنتے ہی ضرغام اور جان سوز نے پنکھے پھینک کر خنجر نکالے اور آہن جادُوگر پر وار کرنے لگے۔ مگر اُن کے خنجر آہن جادُو کے جسم سے ٹکرا کر ٹوٹ گئے۔ آہن جادُو نے اُنہیں بھی گرفتار کیا اور کہنے لگا۔

”احمقو! تُم شاید یہ نہیں جانتے کہ بے ہوشی اور ہتھیار مجھ پر اثر نہیں کرتے لیکن غم نہ کرنا۔ تُم اکیلے نہیں رہو گے۔ کل میں تُمہاری ملکہ، مہ رُخ، شکیل،

اسد، دل آرام اور ساری فوج کو اِسی طرح ہنستے کھیلتے قید کروں گا اور سب کو اکٹھّا لے جا کر شہنشاہ افراسیاب کی خِدمت میں پیش کروں گا۔"

ختم شد

آگے کیا ہوا؟ یہ طِلسم ہوش رُبا کے چوتھے حصّے "عُمرو کی گرفتاری" میں پڑھیے۔